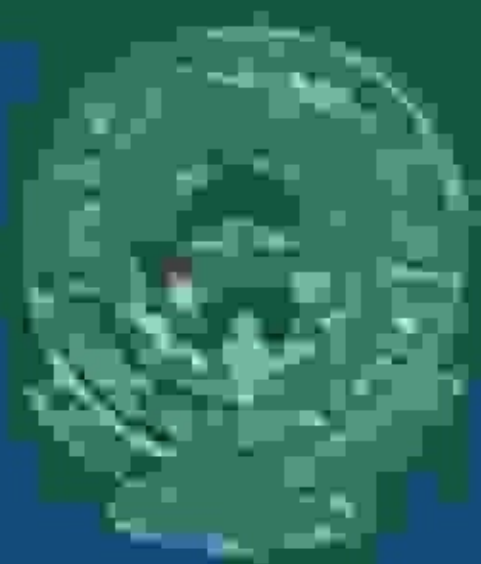


357



نماز جنازہ اور اس کے مسائل

مؤلف

مولانا محمد رئیس ندوی حفظہ اللہ

ناشر

ادارۃ النکوح الاسلامیہ، جامعہ سلفیہ، بنارس، الہند

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب

← عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔

← مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد آپ لوڈ (Upload)

کی جاتی ہیں۔

← دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشر و اشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

← کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔

← ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

← نشر و اشاعت، کتب کی خرید و فروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

نماز جنازہ اور اس کے مسائل

مؤلف

مولانا محمد رئیس ندوی حفظہ اللہ

ناشر

ادارۃ البحوث الاسلامیہ والدعوة والاقتاع جامعہ سلفیہ، بنارس، الہند
محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

(۲)

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

۲۵۷	:	سلسلہ اشاعت
نماز جتنا زور اس کے مسائل	:	ہم کتاب
حضرت مولانا محمد رفیع ندوی حفظہ اللہ	:	ہم مصنف
۱۵۵	:	صفحات
ایک ہزار (۱۰۰۰)	:	تعداد
۲۱ مئی ۲۰۰۰ء مطابق ۲۳ رمضان ۱۴۲۱ھ	:	اشاعت اول
سلفیہ آفسیٹ پریس، وارانسی	:	مطبع
ادارہ پبلکٹ اسلامیا، جامعہ سلفیہ، بازار	:	ناشر

ملنے کے پتے

۱۔ مکتبہ سلفیہ، ریوڑی تالاب، بازار، ۲۲۱۰۱۰

Maktaba Salafia, Reori Talab, Varanasi - 221010

۲۔ مکتبہ ترجمان ۱۱۶ اردو بازار، جامع مسجد ولی

Maktaba Tarjuman 4116 Urdu Bazar, Jama Masjid Delhi - 6

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
۱	عرض ناشر	۷
۲	خطبہ کتاب و تمہید	۹
۳	مر جانے والے مومن کی نماز جنازہ پڑھنے کا شرعی حکم	۱۱
۴	نماز جنازہ و پنجگانہ نمازوں اور عام نمازوں کی طرح ایک نماز ہے	۱۳
۵	تنبیہ	۱۳
۶	تنبیہ بلوغ	۱۵
۷	موضوع کتاب	۱۷
۸	حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ سے نماز جنازہ مشروع ہے	۱۹
۹	حضرت ابن عباس کی مرفوع حدیث پر بحث	۲۳
۱۰	حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقام مدفن	۲۶
۱۱	نماز جنازہ سے متعلق حکم قرآنی کب نازل ہوا؟	۲۷
۱۲	نماز جنازہ فرض کفایہ ہے	۲۸
۱۳	حدیث حذیفہ بن اسید کا تذکرہ	۲۹
۱۴	حدیث حذیفہ سے مستنبط ہونے والے مسائل	۳۱
۱۵	نماز جنازہ کے لئے جماعت ہونا ضروری ہے	۳۳
۱۶	نماز جنازہ کے لئے اوقات ممنوعہ	۳۶
۱۷	نماز جنازہ کے سلسلے میں حکم قرآنی	۴۱

منہجات

مضامین

نمبر شمار

شریعت کا یہ حکم عام ہے کہ ہر مومن کی نماز جنازہ

۲۲

پڑھنی چاہئے میت حاضر ہو یا غائب

۲۳

”صلوا علی کل میت“ اور اس کی ہم ”مٹی حدیثوں پر بحث

۲۷

قرآنی آیت ”ولا تصل علی احد منہم الا یہ“ اور نماز جنازہ

۲۸

ہر مومن کے لئے نماز جنازہ مشروع ہے

۲۹

شاہ حبشہ نجاشی کی نماز جنازہ غائبانہ پر بحث

۳۵

ترجمہ محمد بن عمر واقدی

۳۷

روایت عمران بن حصین کا تذکرہ

۶۰

معاویہ لیشی یا مزیٰ پر رسول اللہ ﷺ نے غائبانہ نماز جنازہ پڑھی

۶۱

معاویہ لیشی پر غائبانہ نماز جنازہ سے متعلق روایت نوح بن عمرو

۶۳

حافظ ابن جوصا کا تعارف

۶۴

روایت طبرانی کا تذکرہ

۶۶

ترجمہ علی بن سعید علیک رازی

۶۷

معاویہ پر غائبانہ نماز جنازہ سے متعلق تیسری حدیث

۶۹

تنبیہ

۶۹

معاویہ کی غائبانہ نماز جنازہ سے متعلق ایک اور سند

۷۰

حضرت امام بصری کی مرسل روایت

۷۲

تنبیہ

۷۴

حضرت زید بن حارثہ اور جعفر بن ابی طالب کی نماز جنازہ غائبانہ

۷۷

تنبیہ

۸۰

ایک میت پر ایک سے زیادہ بار نماز جنازہ کی مشروعیت

نمبر شمار	مضامین	صفحات
۳۹۱	والدہ سعد بن عبادہ کی قبر پر نبوی نماز جنازہ	۸۲
۴۰	ضمیمہ	۸۳
۴۱	تکبیرات نماز جنازہ میں رفع الیدین	۸۴
۴۲	نماز جنازہ کی ہر تکبیر پر رفع الیدین والی حدیث کی تصحیح	۸۵
۴۳	نماز جنازہ کی ہر تکبیر پر رفع الیدین سے متعلق کلام ذیلی کا تحقیقی جائزہ	
۴۴	روایات ابی ہریرہ پر بحث	۹۱
۴۵	ترجمہ یزید بن سنان ابی فروہ	۹۳
۴۶	ترجمہ یحییٰ بن یعلیٰ اسلمی قنطوانی	۹۴
۴۷	نماز جنازہ میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ دلی تکبیروں میں نفی رفع الیدین	
	پر دلالت کرنے والی حدیث ابن عباس	۹۶
۴۸	علامہ ناصر الدین البانی حفظہ اللہ کی بات پر بحث و نظر	۹۷
۴۹	نماز جنازہ کی ہر تکبیر پر رفع الیدین کے مسنون ہونے کے قائل	
	امام ابو حنیفہ بھی تھے	۹۹
۵۰	امام شافعی امام ابن حزم کیا فرماتے ہیں؟	۱۰۰
۵۱	نماز جنازہ میں تکبیر تحریمہ کے بعد سے لے کر اختتام نماز تک بوقت	
	تکبیر رفع الیدین کے علاوہ سینے پر ہاتھوں کا باندھنا مسنون ہے	۱۰۲
۵۲	نماز جنازہ میں دعائے ثنا و استفتاح	۱۰۳
۵۳	نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ	۱۰۶
۵۴	نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے کا حکم نبوی بروایت ام عقیف	۱۰۷
۵۵	نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے کا حکم نبوی بروایت ام شریک	۱۰۸
۵۶	نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے کا حکم بروایت اسماء بن یزید	۱۱۰

مذہبات

مضامین

نمبر شمار

۱۱۲	تنبیہ	۵۷۱
۱۱۴	نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے سے متعلق حدیث سہل بن حفص	۵۸
۱۱۵	نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے سے متعلق حدیث ابن عباس	۵۹
۱۲۰	نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے سے متعلق حدیث جابر بن عبد اللہ	۶۰
۱۲۱	نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے سے متعلق حدیث ابو امامہ	۶۱
۱۲۳	نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے سے متعلق حدیث ضحاک بن قیس	۶۲
۱۲۳	نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے سے متعلق حدیث حبیب بن مسلمہ	۶۳
۱۲۴	خلیفہ راشد حضرت ابو بکر و عمر کی نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھی گئی	۶۴
۱۳۰	حدیث ابی ہریرہ	۶۵
۱۳۲	نماز جنازہ میں فاتحہ کے ساتھ دوسری سورہ ملانے کا مسئلہ	۶۶
۱۳۲	امام نماز میں قرأت بالجہر کرے	۶۷
۱۳۵	نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے سے متعلق قاضی ثناء اللہ کی وصیت	۶۸
۱۳۹	نماز جنازہ میں درود کا موقع و محل	۶۹
۱۴۰	نماز جنازہ میں دعا کا موقع و محل	۷۰
۱۴۲	تنبیہ	۷۱
۱۴۵	نماز جنازہ میں سلام پھیرنے کا مسئلہ	۷۲
۱۴۵	نماز جنازہ میں بالجہر سلام پھیرنے کا مسئلہ	۷۳
۱۴۵	تنبیہ بلغ اول	۷۴
۱۵۲	تنبیہ بلغ ثانی	۷۵
۱۵۲	تیسری تنبیہ بلغ	۷۶
۱۵۲	چوتھی تنبیہ بلغ	۷۶
۱۵۲		

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض ناشر

حمد و صلاۃ کے بعد واضح ہو کہ جنازہ اور اس سے متعلق مسائل کی اہمیت مسلم ہے، اس کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ کتب حدیث وفقہ میں اس کا مستقل حصہ ”کتاب الجنائز“ کے عنوان سے موجود ہے۔ اس مسئلہ کی اہمیت کو سمجھنے کے لئے اس بات پر غور کرنا چاہئے کہ ہر مسلمان اس مرحلہ کا سامنا کرتا ہے، غیر مسلم اس بات کا پابند نہیں کہ موت کے بعد اس کی آخری رسوم کی ادائیگی اسلام کی تعلیم کے مطابق ہو، البتہ مسلمان پورے طور پر اس بات کا پابند ہے کہ موت کے بعد اس کے تمام مراسم اسلام کے مطابق انجام دیئے جائیں، اور اس کا کفن و فن صحیح احادیث کے مطابق ہو۔ برصغیر کے علماء نے اسی لئے اردو زبان میں بھی جنازہ کے موضوع پر کتابیں لکھی ہیں، یا دوسری طویل کتابوں میں اس کا باب قائم کیا ہے، شارح ترمذی محدث عالی مقام علامہ شیخ عبد الرحمن مبارکپوری رحمہ اللہ کی ”کتاب الجنائز“ اس سلسلہ کی ایک عمدہ و مفید کتاب ہے جس سے تمام ضروری مسائل اور مروجہ بدعات و قبائح کا علم ہو جاتا ہے، اردو داں طبقہ پر علامہ مبارکپوری کا یہ احسان ہے کہ انہوں نے اردو زبان میں یہ کتاب ترتیب دی، اور میت سے متعلق مسائل کو کتب حدیث وفقہ کے حوالہ سے صاف طور پر بیان کر دیا، جزاء اللہ تعالیٰ خیراً۔

ایک مسلمان کی شان یہ بتائی گئی ہے کہ صحیح حدیث سے جو مسئلہ ثابت

(۸)

ہو اسے کسی طرح کے چوں چرا کے بغیر قبول کر لے، لیکن افسوس ہے کہ مسلکی تقسیم کی وجہ سے ایسا نہیں ہوتا، انسان اپنے فقہی مسلک کی پابندی پر قائم رہتا ہے، اور صحیح حدیث پر عمل کو نظر انداز کر دیتا ہے، نماز جنازہ غائبانہ اور اس سے متعلق متعدد مسائل میں احناف والہحدیث کا اختلاف ہے، جن پر فریقین میں مباحثے بھی ہوئے ہیں، ان مسائل پر جامعہ سلفیہ کے استاد محترم مولانا محمد رئیس ندوی صاحب نے بھی قلم اٹھایا ہے، اور اپنی بصیرت، وسعت معلومات، قوت استدلال، کتاب وسنت کے مشتملات پر گہری نظر اور رواۃ واسانید پر مفصل بحث کے ذریعہ مذکورہ مسائل اور ان سے متعلق امور کو پوری طرح واضح کر دیا ہے، ہمیں قوی امید ہے کہ اس تحریر سے ہر منصف مزاج انسان مستفید ہوگا، جنازہ و نماز جنازہ سے متعلق اس کی تمام ذہنی الجھنیں دور ہو جائیں گی، اور وہ محدثین کرام کے مسلک کو قبول کر لے گا، ان شاء اللہ۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ کتاب کے مولف اور جامعہ سلفیہ کے تمام ذمہ داران و کارکنان کو اجر جزیل عطا فرمائے، اور دارین کی سعادتوں سے بہرہ ور فرمائے، انہ ولی التوفیق

(ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری)

۱۳ صفر الخیر ۱۴۲۱ھ



بسم الله الرحمن الرحيم

خطبہ کتاب و تمہید

الحمد لله ونحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادي له واشهد أن لا اله الا الله وحده لا شريك له واشهد أن محمدا عبده ورسوله فإن أحسن الحديث كتاب الله وخير الهدي هدي محمد صلى الله عليه وسلم وشر الأمور محدثاتها وكل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة وكل ضلالة في النار والصلوة والسلام على جميع الانبياء والمرسلين على اولهم آدم صفى الله وآخراهم محمد خاتم النبيين وسيد المرسلين رحمة للعالمين ارسله شاهدا مبشرا و نذيرا وهاديا وسراجا منيرا وعلى آله واصحابه وذرياته واتباعه الى يوم الدين اما بعد - فاعوذ بالله السميع العليم من الشيطان الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم قال الله فى كتابه القرآن المجيد " خذ من اموالهم صدقة تطهرهم وتزكيهم بها وصل عليهم ان صلواتك سكن لهم والله سميع عليم (پ ۱۱ سورة التوبة : ۱۰۳) وقال تعالى " سواء عليهم استغفرت لهم ام لم تستغفر لهم لن يغفر الله لهم ان الله لا يهدى القوم الفاسقين (پ ۲۸ سورة المنافقون : ۶) وقال تعالى " ولا تصل على احد منهم مات ابدا ولا تقم على قبره انهم كفروا بالله ورسوله وماتوا وهم فاسقون " (پ ۱۰ سورة التوبة : ۸۴) وقال جابر بن عبد الله الأنصارى رضى الله عنه قال رسول الله صلى الله عليه وسلم حين

مات النجاشی مات اليوم رجل صالح فقوموا وسلوا علی اخیکم اصحمة
النجاشی رواہ البخاری فی صحیحہ باب موت النجاشی و رواہ مسلم
و غیرہما من المحدثین

جو خطبہ ہم نے تحریر کیا ہے وہ نبی ﷺ سے ماثور و منقول ہے کہ آپؐ نکاح
اور نماز جمعہ وغیرہ کے خطبہ میں اسی کو عام طور سے پڑھا کرتے تھے جس کا حاصل معنی
یہ ہے کہ ہم مسلمان اللہ کی حمد و ثنا کرتے، اس سے مدد و مغفرت مانگتے، اس پر ایمان
و بھروسہ رکھتے اس سے اپنے اعمال و نفوس کے شرور و فتن سے پناہ چاہتے ہیں وہی
ہدایت دینے والا اور گمراہ کرنے والا ہے وہ جسے ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا
اور جسے گمراہ کرے اسے کوئی راہیاب نہیں کر سکتا اس کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں
محمد ﷺ اس کے بندے و رسول ہیں سب سے عمدہ بات کتاب اللہ کی باتیں ہیں اور
سب سے بہتر قابل اتباع طریقہ طریق محمدی اور بدترین امور دین میں اختراع کردہ نئی
چیزیں ہیں اور اس طرح کی تمام احتراعی چیزیں بدعت ہیں اور ہر بدعت ضلالت اور
جہنم میں لے جانے والی ہے سب سے پہلے بنی آدم اور آخری نبی محمد ﷺ سمیت تمام
نبیوں پر اللہ کا درود و سلام ہو نیز آپؐ کی آل و اصحاب و تبعین پر بھی۔ آپؐ ”مومنوں
کی نماز جنازہ پڑھئے اور ان کے لئے دعائے رحمت کیجئے کیونکہ مومنوں کے لئے آپؐ کی
نماز جنازہ و دعا باعث سکون ہے۔ غیر مومن منافقوں کے لئے خواہ آپؐ دعائے
استغفار کیجئے یا نہ کیجئے اللہ تعالیٰ انہیں ہر گز نہیں بخشے گا۔ خواہ ان منافقوں کے لئے آپؐ
ستر مرتبہ بھی استغفار کیجئے پھر بھی اللہ انہیں نہیں بخشے گا کیونکہ اللہ و رسول کے ساتھ
کفر کرنے والے اور ایمان نہ لانے والوں کو اللہ تعالیٰ کسی بنی در رسول کی دعائے استغفار
سے معاف نہیں کرتا۔ آپؐ مر جانے والے منافقوں میں سے کسی ایک پر بھی نماز
جنازہ نہ پڑھئے اور نہ اس کے لئے دعا خوانی و زیارت کی غرض سے اس کی قبر کے پاس
آکر وقوف کیجئے کیونکہ وہ تاجیات اللہ و رسالت اللہ کے خلاف ہے۔

میں جب کہ وہ فاسق تھے فوت بھی ہوئے ۔

حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری سے صحیحین اور دیگر کتب حدیث میں مروی ہے کہ حبشہ کے حکمران بادشاہ اصمہ نجاشی فوت ہوئے تو ہمارے رسول ﷺ نے لوگوں سے مدینہ منورہ میں کہا کہ آج ایک صالح آدمی کا انتقال ہو گیا ہے لہذا تم لوگ اپنے اس مومن بھائی کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھو چنانچہ آپ کے اس حکم کی تعمیل آپ کی اقتدا میں موصوف کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھ کر کی گئی۔

مر جانے والے مومن کی نماز جنازہ پڑھنے کا شرعی حکم

نفلہ کتاب میں ہماری ذکر کردہ پہلی والی آیت کا مفاد یہ ہے کہ مومنوں کی نماز جنازہ پڑھنے کا شریعت میں علی الاطلاق حکم دیا گیا ہے اس میں کسی قسم کی تخصیص واستثناء نہیں ہے اس آیت کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ صدقہ و زکوٰۃ دینے والے مومنوں کے لئے صدقہ و زکوٰۃ دیتے وقت ان کی زندگی ہی میں دعائے خیر کی جائے یعنی کہ اس آیت سے دو شرعی احکام مستفاد ہوتے ہیں نیز یہ بھی مستفاد ہوتا ہے کہ نماز جنازہ اور دعائے مومنوں کو سکون حاصل ہوتا ہے۔

دوسری آیت کا مفاد یہ ہے کہ غیر مومن کے لئے خاص طور پر منافق کے لئے دعائے استغفار تک کرنے کی شریعت نے ممانعت کر دی ہے اور تیسری آیت کا بھی یہی مفاد ہے اور جب علی الاطلاق غیر مومن کے لئے ان دونوں آیات میں دعائے مغفرت کی ممانعت ہے اور دعائے مغفرت نماز جنازہ کا جزو اعظم ہے تو ظاہر ہے کہ دونوں آیات کا یہ بھی مفاد ہے کہ غیر مومن و غیر مسلم کے لئے نماز جنازہ مشروع نہیں بلکہ ممنوع ہے اور اس حکم الہی میں اس بات کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ خواہ منافق و غیر مسلم کے لئے کتنی ہی زیادہ دعائے مغفرت کی جائے حتیٰ کہ رسول و نبی بھی اگر دعائے مغفرت کریں تو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا اور یہ دعائیں نماز جنازہ راکاں ہوگی۔ چوتھی آیت کا مفاد یہ ہے کہ غیر مسلم پر نماز جنازہ مشروع نہیں نہ

(۱۲)

اس کی قبر کے پاس جانے اور وہاں کھڑے ہو کر دعا اور زیارت کرنے کی شریعت نے اجازت دی ہے۔

ان آیات کے بعد مذکورہ شدہ حدیث کا مفاد یہ ہے کہ غائبانہ نماز جنازہ ہمارے نبی ﷺ نے پڑھی ہے اس لئے ہمارے لئے بھی ہر فوت ہونے والے مسلمان و مومن آدمی کی غائبانہ نماز جنازہ اس وجہ سے مشروع ہے کہ اس سنت نبویہ پر عمل کرنے سے کوئی شرعی مانع کسی نص شرعی میں وارد نہیں ہوا ہے۔

نماز جنازہ بھی پنج گانہ نمازوں اور عام نمازوں کی طرح

ایک نماز ہے

ہماری ذکر کردہ پہلی اور آخری والی آیات میں واضح طور پر نماز جنازہ کو اللہ تعالیٰ نے نماز یعنی صلوٰۃ کہا ہے۔ صلوٰۃ کے معنی اگرچہ ^{مصطلح} نماز کے علاوہ محض دعا کے بھی ہیں جو نماز سے باہر کی جائے جس کے لئے ^{مصطلح} نماز کے شرائط کا ہونا ضروری نہیں ہے مگر تمام کے تمام اہل اسلام اس بات پر متفق ہیں کہ نماز جنازہ اس دعا کے معنی میں نہیں ہے جو نماز سے باہر کی جاتی ہے کہ اس کے لئے وضو و طہارت اور قبلہ رخ ہونا و تکبیر تحریمہ اور امام ہو تو امام کی متابعت لازم و ضروری ہو اس اجماع و اتفاق کے باوجود جو لوگ نماز جنازہ کو عام نمازوں سے مختلف محض دعا قرار دیتے ہیں وہ اپنے ہی اجماع و اتفاق سے خروج و انحراف کے مرتکب ہوتے ہیں کوئی شک نہیں کہ عام نمازیں بھی دعاؤں اور استغفار پر مشتمل ہوتی ہیں نمازوں کا عظیم ترین رکن سورہ فاتحہ بھری نبوی دعا ہی ہے سورہ فاتحہ کا ایک نام حدیث نبوی میں سورۃ الدعا بھی بتلایا گیا ہے اور تکبیر تحریمہ و قرأت فاتحہ کے درمیان ماثور دعائے مغفرت پر مشتمل ہے اسی طرح رکوع و سجود میں مغفرت پر مشتمل دعائیں احادیث نبویہ میں منقول ہیں اور دونوں سجدوں کے درمیان والے جلسہ میں بھی مغفرت وغیرہ پر مشتمل دعا منقول

(۱۳)

ہے۔ نماز میں تشہد و درود بھی پڑھ کر دعا ہے اور درود کے بعد پڑھی جائے والی مشہور و معروف دعا ”اللہم انی ظلمت نفسی الخ“ بھی دعائے مغفرت ہے اس لئے یہ کہنا تو صحیح ہے کہ نماز بھی ایک طرح کی دعا ہے جس میں نماز جنازہ بھی شامل ہے لیکن دعاؤں پر مشتمل ہونے کی بنا پر نماز جنازہ کو عام نمازوں سے منف نماز سے خارج کوئی دوسری دعا (خواہ دعائے مغفرت ہو خواہ کوئی بھی دعا ہو) قرار دینا جس کے لئے عام نمازوں والی شرطوں اور واجبات کا ہونا ضروری نہ ہو بلا نص شرعی کسی طرح جائز نہیں ہے۔

نماز جنازہ میں عام نمازوں کی طرح رکوع و سجود و قعدہ کا نہ ہونا نص شرعی سے ثابت ہے اس لئے نص شرعی سے ثابت ہونے والی باتوں کو اس عموم سے مستثنیٰ ماننا لازم ہے مگر جس چیز کا استثناء کسی نص شرعی سے ثابت نہیں اسے بھی مستثنیٰ کر دینا اپنی طرف سے شریعت میں نیا اضافہ ہے جس کی شریعت نے اجازت نہیں دی ہے بلکہ اس طرح کے اضافہ کو شریعت نے بہت مذموم و قبیح قرار دیا ہے اور اسے بدعت و ضلالت نیز جہنم میں لے جانے والی چیز کہا ہے ہر مسلمان نصوص شرعیہ کے اتباع کا پابند ہے اتباع نصوص سے انحراف کسی بھی صورت میں جائز نہیں ہے۔

ہماری ذکر کردہ دوسری اور تیسری آیتوں میں جس دعائے مغفرت کی غیر مومن و غیر مسلم کے حق میں ممانعت کی گئی ہے اس کے مفہوم میں نماز جنازہ بھی داخل و شامل ہے جس کا مفہوم یہ بھی نکلتا ہے کہ مومن و مسلم کے لئے دعائے مغفرت مشروع ہے اگرچہ دعا کے لئے شرائط نماز کا ہونا ضروری نہیں لیکن اگر دعائے مغفرت نماز جنازہ میں شامل ہو تو اس کے لئے التزامی طور پر شرائط نماز کا ہونا ضروری ہے۔

جب نماز جنازہ بھی ایک نماز ہے اور وہ عام نمازوں سے کوئی مختلف چیز نہیں تو اس میں وہ ساری چیزیں فرض و رکن و شرط اور واجب و مستحب ہو گئی جو عام

(۱۳)

نمازوں میں ہوا کرتی ہیں اس عموم سے صرف وہ چیز ہی مستثنیٰ ہوگی جس کے مستثنیٰ ہونے پر الگ سے کوئی مستقل نص شرعی موجود ہو مثلاً عام نمازوں میں عام اہل علم کے یہاں سورۃ فاتحہ کا پڑھنا رکن و فرض کی حیثیت رکھتا ہے بعض لوگ یعنی احناف اپنی اصطلاح و موقف کے مطابق اسے فرض و رکن سے مختلف صرف واجب مانتے ہیں اس لئے نماز جنازہ میں عام اہل علم کے اصول کے مطابق نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہونا چاہئے لیکن اپنے اصول سے لازم آنے والی اس بات کو ماننے سے انکار کرتے ہوئے احناف نے کسی شرعی دلیل اور نص کے بغیر کہا کہ نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ کا پڑھنا واجب نہیں بلکہ مستحب بھی نہیں ان میں سے بعض نے اتنی بات کہی کہ نماز کا جزو ہونے کی بنا پر نہیں بلکہ محض دعا کی نیت سے اگر کوئی آدمی سورۃ فاتحہ پڑھنا چاہے تو اسے نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کی اجازت مل سکتی ہے ورنہ نماز کا جزو ہونے کے اعتبار سے اسے پڑھنا مشروع نہیں۔ ان احناف کا یہ موقف اپنے اصول سے لازم آنے والی بات کے خلاف ہونے کے ساتھ شرعی دلیل اور شرعی نص سے خالی ہے اور اصول قیاس کے بھی خلاف ہے مگر اس کی تفصیل ہمارے موضوع سے خارج ہے اس لئے اسی قدر اشارہ پر اکتفا کرتے ہیں۔

تنبیہ

عام نمازوں کو بعض خاص اوقات میں پڑھنے کی عمومی ممانعت شریعت میں آئی ہوئی ہے مثلاً غروب و طلوع آفتاب اور زوال سے پہلے عین دوپہر کا وقت نیز نماز فجر و عصر کے بعد سے لیکر طلوع و غروب آفتاب کا وقت۔ بعض اہل علم ان اوقات ممنوعہ میں مطلقاً نماز جنازہ پڑھنے کو منع کرتے ہیں بعض اجازت دیتے ہیں ہمارے نزدیک ضرورت شدیدہ کے بغیر ان اوقات ممنوعہ میں نماز جنازہ پڑھنے میں احتیاط کرنی چاہئے ہاں ضرورت کے موقع پر اجازت ہے۔ اس طرح کی اجازت عام نمازوں کے لئے بھی ہے مثلاً طلوع و غروب آفتاب یا زوال سے پہلے عین دوپہر میں اگر سورج

(۱۵)

گر ہن لگ گیا ہو تو اس وقت نماز کسوف پڑھنے کے لئے شریعت نے حکم دے رکھا ہے لہذا ممانعت والے حکم عام سے گر ہن سے متعلق اس حکم خاص کو مستثنیٰ مان کر ان اوقات میں بھی نماز کسوف یعنی گر ہن والی نماز پڑھی جائے یا کوئی بے ہوش آدمی اچھی خاصی دیر کے بعد ان اوقات میں ہوش میں آیا تو اسے ان اوقات ممنوعہ میں فرض نماز جو فوت ہو گئی ہیں پڑھ لینے کی اجازت ہے۔ اسی طرح ضرورت کے موقع پر نماز جنازہ کے معاملہ میں بھی کیا جاسکتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

تنبیہ بلیغ

اوپر یہ بات آچکی ہے کہ منافق و غیر مسلم کے لئے خواہ کتنی ہی دعائے مغفرت و دعائے رحمت کی جائے اور اس کی قبر کی زیارت کر کے اس کے حق میں دعا کی جائے خواہ نبی و رسول ہی اس کے حق میں دعاء کریں اس کی نماز جنازہ پڑھیں مگر اس بد قسمت کے لئے نبی و رسول و مومنین و اہل اسلام کی پڑھی ہوئی نماز جنازہ اور کی ہوئی دعائے مغفرت و دعائے رحمت و زیارت ذرہ برابر بھی مفید و نفع بخش نہیں ہوگی اس لئے ہر مسلمان پر لازم و ضروری ہے کہ اس طرح کے عقائد و نظریات اور اعمال و احوال اور طور و طریق سے اپنے کو دور رکھے جو اسے دائرہ ایمان و اسلام سے باہر کر دینے کے باعث ہوں مسلمان کو ہر قسم کے شرکیہ اور کفریہ عقیدہ و نظریہ اور قول و فعل و طریق سے دور رہنا لازم ہے ورنہ اس کے لئے کسی قسم کی دعا خواہ نبی و ولی ہی کرے نفع بخش نہ ہوگی جب یہ معاملہ ہے تو نبی و رسول و ولی وغیرہ کی شفاعت و سفارش بھی اس طرح کے لوگوں کے لئے کار آمد نہ ہوگی۔ جب شرک و کفر آدمی کو نص شرعی کے مطابق جہنم رسید کرنے والی ہے اس کے رہتے ہوئے کسی آدمی کا امید رکھنا کہ محشر میں اور قیامت میں نبی و رسول وغیرہ کی شفاعت و سفارش سے نفع ہو گا اور کام بنے گا ایک سوہوم اور غلط قسم کی امید و توقع ہے ہر مسلمان کو اس طرح کی فضول و غیر مفید امید و توقع قائم کرنے سے بچنا چاہئے اور اپنا عقیدہ و نظریہ و عمل درست و صحیح رکھنا چاہئے۔

(۱۶)

اللہ تعالیٰ ہم کو صحیح معنوں میں مومن و مسلم اور شیعہ شریعت بنائے اور ایمان
و اسلام و اتباع شریعت پر اپنے کئے ہوئے وعدۃ النعمات کے مطابق ان انعامات سے
بہرہ ور کرے اور دنیا و آخرت میں کامیاب و با عزت بنائے۔ آمین یا رب العالمین۔



موضوع کتاب

ہم نے اپنی اس زیر نظر کتاب یعنی ”نماز جنازہ عابیانہ کی مشروعیت“ میں اس بات کی مفصل و مدلل تحقیق و تفتیح پیش کی ہے کہ نصوص شرعیہ کے مطابق عابیانہ نماز جنازہ مشروع و مسنون ہے اس سلسلے میں ضمنی طور پر بعض دیگر مسائل بھی آگئے ہیں۔ اس کتاب میں بتلایا گیا ہے کہ نماز جنازہ کے صحیح ہونے کے لئے میت کی لاش کا نمازیوں کے سامنے موجود ہونا ضروری نہیں ہے البتہ نماز جنازہ فرض کفایہ ہے اس لئے اگر کچھ مسلمان اسے ایک بار پڑھ کر میت کو دفن کر دیں تو دوسروں پر اسے پڑھنا فرض نہیں رہ جاتا ہے بلکہ صرف مسنون و مستحب رہتا ہے۔ آنے والے مباحث سے معلوم ہو گا کہ دلائل شرعیہ سے نماز جنازہ عابیانہ کا مشروع ہونا واضح طور پر ثابت ہے ان دلائل شرعیہ سے واقفیت رکھنے والوں کے لئے اس نماز کی مشروعیت و مسنونیت سے انکار و انحراف کی گنجائش نہیں ہے اور صحابہ و تابعین میں سے کسی سے اس کی مشروعیت و مسنونیت سے اختلاف و انکار بھی منقول نہیں ہے انکار کرنے والے بعد کے لوگ ہیں جو ”المجتہد یحب ویخطی“ (مجتہد سے کچھ مسائل میں غلطی بھی ہو جایا کرتی ہے) کے اصول عام کے تحت غیر شعوری طور پر غلطی کا شکار ہو گئے اور اس نماز کی مشروعیت کا انکار کر بیٹھے اس طرح کی ایک واضح مثال یہ ہے کہ قرآن مجید کے نصوص واضح اور احادیث نبویہ کے بیانات صریحہ سے پانی پر قدرت نہ ہونے کی صورت میں تیمم کر کے نماز پڑھنے کی اجازت ہے بلکہ اجازت ہی نہیں فرض ہے مگر حضرت عمر فاروق جیسے خلیفہ راشد اور حضرت ابن مسعود جیسے جلیل القدر فقیہ صحابی اس کے قائل نہ تھے ظاہر ہے کہ اس قسم کے مواقع پر صرف نصوص شرعیہ کی پیروی

(۱۸)

کرنی چاہئے کیونکہ تنظیم والے مذکورہ بالا مسئلہ میں پوری امت نے خلیفہ راشد عمر فاروق اور حضرت ابن مسعود کی بات ماننے کے بجائے نصوص کی پیروی کی ہے خود ارشاد فاروقی ہے کہ " لا تجعلوا خطای الرای سنة للامة " یعنی نصوص کے مقابلہ میں رائے و اجتہاد کی غلطی کو دستور امت مت بنالیا کرو (احکام لائین حزم) ایسی بہت سی مثالیں ہیں کہ نصوص کے خلاف خلفائے راشدین اور صحابہ و تابعین کے اقوال پوری امت نے رد کر دیے ہیں ان مثالوں میں سے کئی ایک کا ذکر ہم نے اپنی کتاب "تخویر الاتفاق" میں کیا ہے۔ ہم نے اس کتاب میں اس مسئلہ پر حقیقت انروز تحقیق پیش کرنے کی کوشش کی ہے اللہ تعالیٰ ہمیں حق و صواب کو قبول کرنے اور اس پر چلنے کی توفیق دے۔ راہ حق سے انحراف سے ہم کو محفوظ رکھے اور ہماری دینی و علمی خدمات میں غلو و غلیت پیدا کرے اور انہیں قبول فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔ ہماری اس تحقیقی و علمی خدمت میں جن لوگوں نے کسی طرح کی مدد کی ہے اللہ تعالیٰ انہیں دنیا و آخرت میں اجر جزیل سے نوازے۔ وما توفیقی الا باللہ وهو الموفق والمستعان۔

محمد رئیس ندوی جامعہ سلفیہ، بنارس

سفر المظفر۔ ستمبر ۱۴۱۱ھ ۱۹۹۰ء



حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے نماز جنازہ شروع ہے

یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ نماز جنازہ ہمارے مورث اعلیٰ سیدنا حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام و علی نبینا ﷺ کے زمانہ ہی سے شروع و مروج ہے۔ چنانچہ امام عبد اللہ بن احمد بن حنبل نے زیادات مسند احمد میں کہا ہے کہ :

” حَدَّثَنَا هُدْبَةُ بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا حِمَادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ جَمِيدِ الطَّوِيلِ عَنْ الْحُسَيْنِ الْبَصْرِيِّ عَنْ عَنِي بْنِ ضَمْرَةَ السَّعْدِيِّ قَالَ رَأَيْتُ شَيْخًا بِالْمَدِينَةِ فَسَأَلْتُ عَنْهُ فَقَالُوا هَذَا أَبِي بْنُ كَعْبٍ فَقَالَ إِنَّ آدَمَ لَا حُضْرَةَ الْمَوْتِ قَالَ لِبَنِيهِ يَا بَنِيَّ إِنِّي أَشْتَهِي مِنْ ثَمَارِ الْجَنَّةِ قَالَ فَذَهَبُوا يَطْلُبُونَ لَهُ فَاسْتَقْبَلَتْهُمْ الْمَلَائِكَةُ وَمَعَهُمْ أَكْفَانُهُ وَحَنَوطُهُ وَمَعَهُمْ الْفُوسُ وَالْمَسَاحِيُّ وَالْمِكَاثِلُ فَقَالُوا لَهُ يَا بَنِيَّ آدَمُ مَا تَرِيدُونَ وَمَا تَطْلُبُونَ أَوْ مَا تَرِيدُونَ وَإِنْ تَطْلُبُونَ قَالُوا إِبْرَاهِيمَ مَرِيضٌ وَأَشْتَهِي مِنْ ثَمَارِ الْجَنَّةِ فَقَالُوا لَهُمْ أَرْجِعُوا فَقَضَىٰ أَبُوكُمْ فَجَاؤُوا فَلَمَّا رَأَوْهُمْ جَاءُوا عَرَفْتَهُمْ فَلَاذَتْ بِآدَمَ فَقَالَ إِلَيْكَ عَنِي فَاثْبِتْ لِي مِنْ قَبْلِكَ فَخَلَىٰ بَيْنِي وَبَيْنَ الْمَلَائِكَةِ رَبِّي عَزَّ وَجَلَّ فَقَبِضُوهُ وَغَسِّلُوهُ وَكَفِّنُوهُ وَحَنَطُوهُ وَحَفَرُوا لَهُ وَلَحَدُوهُ ثُمَّ صَلُّوا عَلَيْهِ وَادْخَلُوهُ قَبْرَهُ فَوَضَعُوهُ فِي قَبْرِهِ ثُمَّ جَثَوْا عَلَيْهِ ثُمَّ قَالُوا يَا بَنِيَّ آدَمُ هَذِهِ سُنَّتُكُمْ ” یعنی عمتی بن ضمیرہ سعدی نے کہا کہ میں نے مدینہ منورہ میں ایک شیخ کو کلام کرتے ہوئے سنا تو ان کی بابت میں نے لوگوں سے دریافت کیا۔ لوگوں نے کہا کہ یہ ابی بن کعب صحابی ہیں۔ ابی بن کعب صحابی نے اپنے کلام کے دوران کہا کہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام جب مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو انہوں نے

(۲۰)

اپنے بیٹوں سے کہا کہ اے میرے بیٹو! مجھے جنت کے پھل کھانے کی اشتہا و خواہش ہو رہی ہے۔ حضرت آدم کے بیٹے موصوف کے لئے جنت کے پھل تلاش کرنے روانہ ہوئے۔ ان سے فرشتوں کی ملاقات ہو گئی۔ ان فرشتوں کے ساتھ حضرت آدم کا کفن اور ان کی لاش و میت کو لگانے والا عطر نیز بسولہ، کدال و پھاوڑا و ٹوکریاں بھی تھیں۔ ان فرشتوں نے اولاد آدم سے کہا کہ تم واپس چلو تمہارے باپ کی قضا اور موت کا وقت آگیا ہے۔ یہ لوگ آئے تو انہیں حضرت حوا علیہا الصلوٰۃ والسلام نے پہچان لیا وہ (حوا) حضرت آدم علیہ السلام سے لیٹ گئیں حضرت آدم نے موصوفہ حوا سے کہا کہ تم مجھ سے دور رہو تمہاری ہی وجہ سے میں مرتکب خطا ہو کر جنت سے زمین پر لایا گیا تم میرے اور میرے رب کے فرشتوں کے درمیان سے ہٹ جاؤ چنانچہ فرشتوں نے حضرت آدم کی روح قبض کی اور انہوں نے موصوف کو غسل دیا اور انہیں کفن پہنایا اور عطر لگایا ان کے لئے بغلی قبر کھودی پھر ان فرشتوں نے موصوف آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نماز جنازہ پڑھی اور موصوف کو قبر کے اندر داخل کر دیا اور اوپر سے مٹی ڈال دی پھر اولاد آدم سے خطاب کرتے ہوئے فرشتوں نے کہا کہ میت کی تدفین و تجہیز کا تمہارے لئے یہی دستور و قانون ہے“ (مسند احمد ج ۵ صفحہ ۱۳۶ و مستدرک حاکم ج ۱ صفحہ ۸۵ ج ۲ صفحہ ۵۴۵ کتاب التاریخ)

حافظ ابن کثیرؒ نے اس حدیث کی سند کی بابت کہا ”اسناد صحیح الیہ“ یہ سند صحیح ہے (البدایۃ والنہایۃ ج ۱ صفحہ ۱۱۰)

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے مگر یہ ابی بن کعب پر موقوف ہے یعنی کہ یہ ابی بن کعب کا قول (اثر ہے مگر معنوی طور پر اصول حدیث کے اعتبار سے یہ موقوف قول صحابی درحقیقت حدیث مرفوع یعنی حدیث نبوی کے حکم میں ہے کیونکہ بلا توقیف یعنی اعلام نبوی کے بغیر اپنے قیاس و اجتہاد و رائے سے اس قسم کی کوئی بات کوئی صحابی نہیں کہہ سکتا اس لئے قواعد حدیث کے اعتبار سے حدیث مذکور

(۲۱)

معنوی طور پر بدرجہ حدیث نبوی ہے۔ اس کے مرفوع حکمی ہونے کی ایک واضح دلیل یہ بھی ہے کہ حضرت ابی بن کعب سے یہ روایت مرفوعاً بھی مروی ہے یعنی کہ موصوف نے اسے رسول اللہ ﷺ سے نقل کر رکھا ہے۔ چنانچہ حافظ امام دارقطنی نے کہا کہ:

”حدثنا عبد الله بن محمد بن محمد بن عبد العزيز ثنا الفضل بن الصباح البزار حدثنا ابو عبيدة الحداد عن عثمان بن عبيدة الكاتب عن الحسن البصري يمني ضمرة السعدی عن ابی بن کعب ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ان الملائكة صلت على آدم فكبرت عليه اربعا وقالوا هذه سنتكم يا بني آدم“ یعنی ابی بن کعب نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرما یا کہ فرشتوں نے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نماز جنازہ چار تکبیروں کے ساتھ پڑھی پھر انہوں نے اولاد آدم سے کہا کہ تمہارے لئے تجھیز و تدفین کا یہی دستور ہے (سنن دارقطنی مع تعلیق المغنی ج ۱ صفحہ ۱۹۰)

مذکورہ بالا مرفوع حدیث اپنے شواہد و متابع سے مل کر باعتبار سند صحیح و معتبر ہے۔ اسے حضرت ابی سے روایت کرنے والے راوی عتی بن ضمرہ اور عتی سے روایت کرنے والے امام حسن بصری کا ثقہ و معتبر راوی ہونا مسلم ہے البتہ حسن بصری سے اس کے ناقل عثمان بن سعد الکاتب ابو بکر بصری تسمی معلم مختلف فیہ ہیں۔ بعض نے ان پر ایسی تخریج کی ہے جو کالعدم ہے اور زیادۃ تراجمہ جرح و تعدیل نے موصوف کی توثیق کی ہے۔ امام حاکم نے موصوف کو ”ثقة عزيز الحديث“ کہا، امام ابو نعیم اور ابو جعفر سبکی نے مطلقاً ”ثقة“ کہا۔ امام ابن عدی نے کہا ”حسن الحديث مع ضعفه يكتب حديثه“ جس کا مطلب ہوا کہ متابع ملنے پر موصوف عثمان کی روایت امام ابن عدی کے نزدیک معتبر ہے۔ اور موصوف کی بابت امام ابو حاتم رازی کے قول ”شیخ“ کا بھی یہی مطلب ہے امام نسائی سے اگرچہ مروی ہے کہ ”ليس بثقة“ مگر ابن الہادی نے

(۲۲)

کہا کہ ”الصواب فی قوله النسائی انه لیس بالقوی وكذا نقله عن النسائی“ اس سے معلوم ہوا کہ امام نسائی سے موصوف کی بابت منقول شدہ قول غیر واحد ”اس کے بجائے“ لیس بقوی ” صحیح طور پر منقول ہے اور اس کا حاصل ”لیس بثقة“ کے بجائے ”لیس بقوی“ وہی ہے جو ابن عدی و ابو حاتم رازی کی بات کا حاصل ہے کہ متابع و شاہد کی موجودگی میں موصوف کی روایت معتبر ہے۔ موصوف کی بابت امام ابو زرہ کے قول ”دلیلین“ اور ابن معین کے قول ”لیس بذاك“ یا ”ضعیف“ اور ابو احمد حاکم کے قول ”لیس بالمتین عندهم“ کا بھی یہی مطلب ہے کہ متابع و شاہد کو موجودگی میں موصوف کی روایت معتبر ہے یہ سارے اقوال تہذیب التہذیب اور عام کتب رجال سے نقل کئے گئے ہیں۔ اور موصوف عثمان کے معنوی متابع و شواہد موجود ہیں ایک قوی شاہد تو ابی بن کعب سے اس کے پہلے موقوفاً مروی شدہ صحیح الاسناد روایت ہی ہے کیونکہ وہ معنوی طور پر حکماء رفوع کے درجہ میں ہے۔ التعلیق المغنی میں کہا کہ ”اخرجه الحاكم في المستدرک وقال صحيح الاسناد الخ“ (التعلیق المغنی ج ۱۹۰) امام حاکم کی اس تصحیح سے ہماری بات کی تائید ہوتی ہے۔

امام دارقطنی نے حضرت انس بن مالک سے مرفوعاً نقل کیا اور امام حاکم نے بھی (سنن دارقطنی ج ۱ صفحہ ۱۹۰ و مستدرک ج ۱ صفحہ ۳۸۵) اور امام حاکم نے اس کی تصحیح کی مگر حافظ ذہبی نے اس پر کلام کیا کہ اس کے راوی مبارک بن فضالہ لیس بحجہ ہیں لیکن ہم کہتے ہیں کہ عام لوگوں نے موصوف مبارک کی توثیق کی ہے خاص طور سے حسن بصری سے موصوف کی روایت کی تصحیح کی ہے اور حسن بصری سے موصوف کو اختصاص بھی حاصل تھا ان کی صحبت و شاگردی میں مبارک تیرہ سال رہے تھے البتہ موصوف مدلس تھے اور حسن بصری سے روایت مذکورہ بلا تصریح تحدیث معتن نقل کی ہے مگر یہ علت مدلیس متابع و شواہد کی بنا پر دور ہو جاتی ہے۔ اس حدیث کے الفاظ

درج ذیل ہیں:

”كبرت الملائكة على آدم اربعا وكبر ابو بكر على النبي صلى الله عليه وسلم اربعا الحديث“ (سنن دار قطنی ج ۱ صفحہ ۱۹۰) یعنی فرشتوں نے حضرت آدم کی جو نماز جنازہ پڑھی اس کو چار تکبیروں کے ساتھ پڑھا اور حضرت ابو بکر صدیق نے ہمارے نبی ﷺ کی نماز جنازہ بھی اسی طرح پڑھی، حضرت عمر فاروق اور متعدد اساطین امت کی نماز جنازہ بھی اسی طرح پڑھی گئی۔

حضرت ابن عباس کی مرفوع حدیث پر بحث

حضرت انس والی بن کعب سے مروی مذکورہ بالا حدیث کی متابعت حضرت عبد اللہ بن عباس سے منقول شدہ مندرجہ ذیل حدیث مرفوع سے بھی ہوتی ہے چنانچہ امام دار قطنی وغیرہ نے روایت کیا کہ: ”قال الدار قطنی حدثنا محمد بن مخلد ثنا احمد بن الوليد الفحام ويحيى بن زيد بن يحيى الفزاري قالا حدثنا قيس بن بكر بن قيس ثنا الفرات بن سلمان الجزاي عن ميمون بن مهران عن ابن عباس قال آخر ما كبر النبي صلى الله عليه وسلم على الجنازة اربعا الى ان قال وكبر الملائكة على آدم اربعا“ یعنی سند مذکور سے مروی ہے کہ ابن عباس نے کہا کہ نماز جنازہ آپ اپنی زندگی کے اواخر میں چار ہی تکبیروں سے پڑھنے لگے تھے یہ مرفوع حدیث ہے کہ فرشتوں نے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نماز جنازہ میں چار تکبیریں کہی تھیں“ (سنن دار قطنی ج ۱ صفحہ ۱۹۱ و مستدرک حاکم کتاب التاریخ ج ۲ صفحہ ۵۴۵)

اس حدیث کی سند کے تمام رواۃ معتبر ہیں صرف فرات بن سلمان جزری کا معاملہ قابل بحث و نظر ہے۔ سنن دار قطنی کے بیان سند میں موصوف کو فرات بن سلمان جزری کہا گیا ہے۔ جزری جزیرہ کی طرف نسبت ہے جس کا ایک شہر رقہ ہے (معجم البلدان مادہ رقہ) اس اعتبار سے فرات بن سلمان کورقی بھی کہا جاسکتا ہے اور

(۱۲۴)

فرات بن سلمان رقی کو ثقہ قرار دیا گیا ہے۔ اس اعتبار سے روایت مذکورہ معتبر ہونی چاہئے مگر اسے نقل کرنے کے بعد امام دارقطنی نے کہا کہ ”إنما هو الفرات بن السائب هو متروك الحديث“ یعنی یہ روایت فرات بن سلمان رقی جزری کے بجائے فرات بن السائب ابو سلیمان جزری سے مروی ہے جو متروک الحدیث ہے۔ نیز اہل علم نے بھی فرات بن السائب کو متروک و مجروح و ساقط الاعتبار قرار دیا ہے۔ امام حاکم نے بھی کہا کہ:

”لست ممن يخفى ان الفرات ليس من شرط هذا الكتاب وانما اخرجته شاهدا“ یعنی فرات کا حال مجھ پر مخفی نہیں یہ ہماری کتاب المستدرک کے شرائط کاراوی نہیں میں نے اس کی اس روایت کا ذکر بطور شاہد کیا ہے۔ (مستدرک حاکم ج ۲ صفحہ ۵۴۵ و ج ۱ صفحہ ۳۸۵ کتاب الجنائز)

حافظ ابن کثیر کے ایک بیان کے مطابق یہ روایت ابن عساکر نے دوسری سند سے نقل کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ میمون بن مھر ان سے اس روایت کی نقل میں محمد بن زیاد یشکری رقی کو فی نے فرات بن السائب کی متابعت کر رکھی ہے (البدایہ والنہایہ ج ۱ صفحہ ۱۱۰) مگر اس کی متابعت کرنے والا یہ محمد بن زیاد بھی متروک و ساقط الاعتبار بلکہ کذاب ہے (عام کتب رجال ترجمہ محمد بن زیاد یشکری) میمون بن مھر ان سے محمد بن زیاد (یشکری) نے اسے نقل کیا ہے لیکن چونکہ اس روایت کے معنوی متابع و شواہد موجود ہیں اس لئے اپنے شواہد سے مل کر یہ روایت مجموعی طور پر معتبر قرار پاتی ہے میمون بن مھر ان سے محمد بن زیاد کی نقل کردہ روایت کے الفاظ یہ ہیں:

”ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال كبرت الملائكة على آدم اربعا وكبر ابو بكر على فاطمة اربعا وكبر عمر على ابي بكر اربعا الحديث“
یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ فرشتوں نے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نماز

(۲۵)

جنازہ چار تکبیروں کے ساتھ پڑھی تھی الحدیث

حافظ ابن کثیر کے بیان کے مطابق حافظ ابن عساکر نے کہا کہ روایت مذکورہ میمون بن مهران کے علاوہ دوسری سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمر سے بھی مروی ہے (البدایہ والنہایہ ج ۱ صفحہ ۱۱۰) ظاہر ہے کہ یہ ساری روایات باہم ایک دوسرے کے ساتھ ملکر قوی و معتبر و صحیح قرار پاتی ہیں۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نماز جنازہ پڑھی گئی تھی اور اس موقع پر موصوف کی نماز جنازہ میں شریک ہونے والے فرشتوں نے اولاد آدم سے کہا تھا کہ تمہارے لئے میت کی تجہیز و تکفین و تدفین کے سلسلے میں تمہارے واسطے مشروع کردہ دستور الہی میں یہ بھی داخل ہے کہ میت کی نماز جنازہ بھی پڑھو۔ جس سے معلوم ہوا کہ حضرت آدم سے لیکر تاقیامت اہل اسلام کے یہاں نماز جنازہ کا رواج و دستور رہا ہے اور رہے گا۔

یہ معلوم ہے کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لیکر حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے پہلے تک کے طویل و عریض زمانہ میں تمام انسان ملت واحدہ یعنی دین اسلام پر قائم تھے اور لوگوں میں سے کوئی بھی مذہب توحید سے منحرف ہو کر راہ شرک پر نہیں لگا تھا۔ بقول حافظ ابن کثیر صحیح البخاری میں حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ حضرت آدم و نوح کے درمیان والی صدیوں کے سبھی لوگ اسلام اور مذہب توحید پر قائم تھے (البدایہ والنہایہ ج ۱ صفحہ ۱۱۳ و ۱۱۸ بحوالہ صحیح البخاری والمستدرک علی المحکم کتاب التاریخ ج ۲ صفحہ ۵۴۶)

اس کا مفاد یہ ہے کہ اسلام اور توحید سے انحراف اور بت پرستی سے لگاؤ لوگوں میں حضرت نوح کی بعثت سے پہلے آیا اور اس فساد کی اصلاح کے لئے سب سے پہلے حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام مبعوث کئے گئے اس کا دوسرا مطلب یہ ہوا کہ بعثت نوح سے پہلے تمام لوگ میت پر نماز جنازہ پڑھ کر اس کی تدفین کرتے تھے اور تجہیز

(۲۶)

و تدفین کے اس اسلامی دستور سے انحراف کچھ لوگوں میں بعثت نوح سے کچھ پہلے آیا۔ اور توحید و اسلام سے منحرف ہونے والوں نے بہت سارے امور کی طرح میت کی تجہیز و تدفین کے معاملہ میں بھی شیطانی تلبیس کے شکار ہو کر دوسرے قسم کے طریق تجہیز و تدفین پر گامزن ہو گئے۔

حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقام تدفین

واضح طور پر معتبر ذرائع سے اس بات کی تعیین نہیں ہو سکتی کہ ہماری زمین پر دفن کئے جانے والے سب سے پہلے رسول و نبی اور ہمارے مورث اعلیٰ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کہاں فوت ہوئے اور کہاں دفن ہوئے اس سلسلے میں وارد شدہ مختلف روایات میں سے کوئی معتبر نہیں معلوم ہوتی مگر تاریخ طبری میں اس بات پر اجماع نقل کیا گیا ہے کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سکونت اور بود و باش ہمارے ہندوستان کے مشہور جزیرہ سراندیپ یعنی سیلون لنکا میں تھی اور موصوف وہیں جنت سے نکل کر اترے بھی تھے اور مستقل طور پر وہی ان کی سکونت گاہ تھی حج وغیرہ کے سلسلے میں سفر پر بھی جاتے رہے (تاریخ ابن جریر طبری تذکرہ آدم) اس سے بظاہر مستفاد ہوتا ہے کہ ہمارا ملک ہندوستان ہی ہمارے مورث اعلیٰ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مدفن بھی ہے۔ حافظ ابن کثیرؒ نے کہا کہ:

”اختلفوا فی موضع دفنه فالمشہور انه دفن عند الجبل الذی اہبط منه فی الہند الخ“ یعنی موصوف آدم کے مدفن میں اہل علم کا اختلاف ہے کہ وہ کہاں ہے اس سلسلے میں مشہور قول یہ ہے کہ موصوف ہندوستان میں اس پہاڑ کے پاس دفن کئے گئے جہاں وہ جنت سے زمین پر اترے تھے (البدایہ والنہایہ ج ۱ صفحہ ۱۱۰) معلوم ہوا کہ قول مشہور کے مطابق پہلی مرتبہ جو نماز جنازہ روئے زمین پر پڑھی گئی وہ ہمارے ملک ہندوستان میں پڑھی گئی۔ یہ عجیب بات ہے کہ اہل اسلام کے نقطہ نظر سے جو ملک اہل اسلام سمیت تمام ہی انسانوں کے مورث اعلیٰ کا موطن و مسکن اور مدفن

(۲۷)

ہے اسی ملک پر تسلط پا جانے والے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ مسلمانوں کا وطن نہیں ہے وہ باہر سے حملہ آور ہو کر اس ملک میں داخل ہوئے ہیں نیز بعض لوگ یہاں تک کہتے ہیں کہ ہندوستانی مسلمانوں کو طریق اسلام کے مطابق مردوں کی تدفین کرنے کے بجائے ہندوؤں کی طرح نذر آتش کر دینا چاہئے۔ فباللہ المشتکی۔

نماز جنازہ سے متعلق حکم قرآنی کب نازل ہوا؟

مذکورہ بالا تفصیل سے اگرچہ یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام ہی کے وقت سے نماز جنازہ شروع ہے اور اسی زمانے سے نماز جنازہ پڑھے جانے کا دستور رائج ہے مگر اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ آخری نبی جناب محمد رسول اللہ ﷺ پر نماز جنازہ سے متعلق کوئی آیت و حکم قرآن مجید میں ۹ھ سے پہلے نازل نہیں ہوا اگرچہ یہ بہت واضح بات ہے کہ تو اتر کے ساتھ مروی و منقول ہونے والی احادیث سے ثابت ہے کہ اس سلسلے میں حکم قرآن کے نزول سے پہلے ہمارے نبی ﷺ اور عام اہل اسلام میت پر نماز جنازہ پڑھا کرتے تھے۔ ہم بنظر اختصار اس موضوع پر کوئی تفصیلی بحث پیش کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے ہیں مگر مختصر ایہ اشارہ کرنا مناسب سمجھتے ہیں کہ نماز جنازہ سے متعلق قرآن مجید میں نازل شدہ حکم الہی غزوہ تبوک کے بعد یعنی ۹ھ میں اواخر حیات نبوی میں نازل ہوا اور اسی سال رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی کا استقبال ہوا اور اس موقع پر قرآن مجید میں صراحت کی گئی کہ مومنوں کی نماز جنازہ تو آپ ضرور پڑھا کریں مگر منافقوں کی نماز جنازہ ہرگز نہ پڑھیں۔ اس قرآنی بیان سے التزامی طور پر بہر حال یہ ثابت ہوتا ہے کہ وفات عبد اللہ بن ابی کے پہلے نماز جنازہ مشروع تھی اور آپ نیز عام صحابہ کرام و اہل اسلام میت پر نماز جنازہ پڑھتے پھر اسے قبر میں دفن کرتے تھے جیسا کہ عام کتب حدیث و تاریخ و تفسیر میں پوری صراحت سے مفصل طور پر یہ بات بیان کی گئی ہے۔

بعض لوگوں نے کہا رکھا ہے کہ ہجرت نبوی سے کچھ پہلے آپ کی زوجہ

(۲۸)

مطہرہ حضرت ام المومنین خدیجہ الکبریٰ فوت ہوئی تھیں اور چونکہ اس وقت نماز جنازہ آپ کے لئے مشروع نہیں کی گئی تھی اس لئے موصوفہ پر نماز جنازہ پڑھے بغیر ہی موصوفہ کو آپ نے دفن کر دیا تھا۔ مگر ہم نے اس سلسلے میں تحقیقی جائزہ اپنی کتاب ”سیرت ام المومنین خدیجہ الکبریٰ“ میں لیا ہے اور واضح کیا ہے کہ موصوفہ کی نماز جنازہ پڑھی گئی تھی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

یہ معلوم ہے کہ بہت سارے احکام شریعہ کے معاملہ میں یہ ہوا کہ وہ مشروع تو پہلے سے تھے مگر ان کے سلسلے میں نزول قرآن بعد میں ہوا اس کی مثالوں میں ایک واضح مثال وضو کی ہے وہ نماز فرض ہونے کے ساتھ ہی مشروع ہو گیا تھا اور نماز بعثت نبوی ہی کے ساتھ فرض قرار پائی تھی اگرچہ بیچ گانہ نماز بعثت نبوی کے کئی سال بعد معراج نبوی کے موقع پر فرض کی گئی مگر وضو سے متعلق حکم قرآن مجید میں ہجرت نبوی کے کئی سال بعد بلکہ اواخر حیات نبوی میں نازل ہوا۔ سورۃ مائدہ، نساء میں وضو سے متعلق آیات وارد ہیں۔

الحاصل یہ بات بہت سارے احکام شریعہ اور امور دینیہ کے سلسلے میں واقع ہوئی ہے کہ شریعت میں ان پر عمل کا حکم پہلے سے موجود تھا مگر قرآن مجید میں ان سے متعلق آیات بعد میں نازل ہوئی ہیں۔

نماز جنازہ فرض کفایہ ہے

یہ معلوم ہے کہ بیچ گانہ فرض نمازیں پوری دنیا کے تمام مکلف انسانوں پر فرض ہیں یعنی کہ ہر مکلف انسان کو بیچ گانہ نمازوں میں سے ہر نماز کا ادا کرنا لازم ہے مگر نماز جنازہ کے لئے اس طرح کا حکم تمام دنیا کے تمام ہی مکلف انسانوں کو دیا جاتا تکلیف مالا یطاق (یعنی ایسی ذمہ داری جس سے عہدہ بردار ہونا انسانی طاقت سے باہر ہے) ہو گا۔ یہ ممکن نہیں کہ دنیا میں کہیں بھی فوت ہونے والے انسان کی نماز جنازہ میں پوری دنیا کے تمام ہی لوگ شریک ہو سکیں بنا بریں شریعت نے نماز جنازہ کو فرض کفایہ قرار دیا

(۲۹)

ہے اگر اسے کچھ لوگ ادا کر لیں تو دوسرے تمام لوگوں سے اس کا وجوب ساقط ہو جاتا ہے۔

حدیث خدیفہ بن اسید کا تذکرہ

مشہور معروف صحابی حضرت خدیفہ بن اسید نے کہا:

”ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلغه موت النجاشی فقال لاصحابه ان احاكم النجاشی قد مات فمن اراد ان یصلی علیہ فلیصل علیہ فتوجه رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نحو الجنة فكبر علیہ اربعاً۔ یعنی رسول اللہ ﷺ کو حبشہ کے بادشاہ اصحمہ نجاشی کی خبر موت پہنچی تو آپؐ نے اپنے اصحاب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تمہارے مومن بھائی نجاشی کی موت ہو گئی لہذا تم میں سے جو لوگ چاہیں وہ ان کی نماز جنازہ میں شریک ہوں یہ فرما کر آپؐ جنت البقیع کی طرف متوجہ ہوئے اور وہاں جنازہ کی نماز پڑھی جانے والی جگہ میں آپؐ نے لوگوں کو نجاشی کی نماز جنازہ پڑھائی اور اس نماز میں آپؐ نے چار تکبیریں کہیں“ (معجم کبیر للطبرانی حدیث نمبر ۲۸۰۳ ج ۳ صفحہ ۱۹۹ قال فی مجمع الزوائد رواہ ابن۔

ماجہ والطبرانی واسنادہ حسن ج ۳ صفحہ ۱۹۹)

اپنی معجم کبیر میں امام طبرانی نے مذکورہ بالا حدیث کی یہ سند بیان کی ہے:

”حدثنا عبدان بن احمد ثنا ابراهيم بن المستمر العروفي ح وثنا محمد بن خالد الراسبي ثنا مهلب بن العلاء ثنا شعيب بن بيان ثنا عمران

القطان عن قتادة عن ابي الطفيل عن حذيفة بن اسيد الخ“

امام ہیشمی نے اگرچہ مجمع الزوائد میں کہا ہے کہ امام طبرانی کے علاوہ روایت مذکورہ کو امام ابن ماجہ نے بھی نقل کیا ہے مگر سنن ابن ماجہ میں روایت مذکورہ ان الفاظ میں نہیں ہے ”فمن اراد ان یصلی علیہ“ کے الفاظ سنن ابن ماجہ میں نہیں یہ الفاظ ہم کو صرف طبرانی کی معجم کبیر ہی میں نظر آئے۔ امام ہیشمی نے اس کی سند کو حسن

(۳۰)

کہا ہے اور ہم بھی اسی نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ اسکی سند حسن ہے جو قابل اعتبار ہوا کرتی ہے۔ امام طبرانی نے حدیث مذکور اپنے دو اساتذہ عبدان بن احمد اور محمد بن خالد راہی سے نقل کی ہے۔ عبدان شیخ طبرانی کا لقب ہے موصوف کا نام عبد اللہ بن احمد بن موسیٰ بن زیاد ابو محمد اھوازی الجوالیقی ہے جو ۳۰۶ھ میں فوت ہوئے موصوف عبد اللہ بن احمد ہختہ کار ثقہ محدث تھے اور کئی کتابوں کے مصنف بھی موصوف ہیں (سیر اعلام النبلاء ج ۱۲ صفحہ ۱۶۸، تاریخ بغداد للخطیب ج ۹ صفحہ ۳۷۶ و تذکرہ الحفاظ ج ۲ صفحہ ۶۸۸) ظاہر ہے کہ موصوف عبدان نے روایت مذکورہ اپنی کتابوں میں سے کسی کتاب میں بھی ضرور نقل کر رکھی ہوگی۔

یہ حدیث امام طبرانی نے اپنے جس دوسرے استاذ سے نقل کی ہے وہ محمد بن خالد راہی نبلی ہیں ان کا تفصیلی ترجمہ ہم کو نہیں ملا مگر امام طبرانی کی کتاب الدعاء حدیث نمبر ۱۸۸۵۔ صفحہ ۱۶۳۱ کی تعلیق و حاشیہ میں راہی موصوف کی ایک روایت کردہ حدیث کی بابت کہا کہ ”رجال اسنادہ ثقات والحديث صحيح“ یعنی اس سند کے تمام رواۃ بشمول محمد بن خالد راہی ثقہ ہیں اور یہ سند صحیح ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ موصوف محمد بن خالد راہی ثقہ راوی ہیں جس کا حاصل یہ نکلا کہ امام طبرانی نے روایت مذکورہ اپنے دو اساتذہ سے نقل کی ہے یعنی کہ اس روایت کی نقل میں دو ثقہ رواۃ ایک دوسرے کی توثیق کر رہے ہیں۔ ان دونوں ثقہ رواۃ میں سے اول الذکر عبدان نے یہ حدیث بیک واسطہ مھلب بن العلاء سے اور موخر الذکر محمد بن خالد راہی نے بلا واسطہ براہ راست مھلب سے روایت کی ہے عبدان نے جس واسطہ سے یہ حدیث نقل کی ہے وہ ابراہیم بن المستمر العروقی ہمدانی ناہجی ابو اسحاق بصری ہیں یہ ثقہ و صدوق راوی ہیں امام نسائی نے موصوف کو ”صدوق“ اور ”لیس بہ باس“ کہا اور امام ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا (تہذیب التہذیب ترجمہ ابراہیم بن المستمر) ان دونوں ثقہ رواۃ یعنی ابراہیم بن المستمر اور محمد بن خالد راہی نے یہ حدیث مھلب بن العلاء

سے نقل کی جن کا ترجمہ ہمیں نہیں مل سکا مگر ان کی روایت کردہ حدیث کو امام عیسیٰ کا حسن کہنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ موصوف مہلب حسن الحدیث درجہ کے ثقہ راوی ہیں اور حافظ ابن حبان اور ان جیسے لوگوں کے اصول کے مطابق موصوف مہلب ثقہ ہیں۔

مہلب نے یہ حدیث شعیب بن یزید سے نقل کی انہیں میزان الاعتدال میں امام ذہبی نے ”صدوق“ کہا ہے اور تقریب التہذیب میں حافظ ابن حجر نے موصوف کو ”صدوق یحفظہ“ کہا۔ حافظ ابن حبان نے موصوف کو ثقات میں ذکر کیا بعض نے کلام کیا جس کا حاصل یہ ہے کہ موصوف کی روایت صحیح کے بجائے حسن ہوتی ہے اور متابع و شاہد سے ملا کر صحیح ہو جاتی ہے۔

شعیب نے یہ روایت عمران ابو العداۃ قطان سے نقل کیا جو ثقہ و صدوق ہیں (عام کتب رجال) عمران نے اسے قتادہ سے نقل کیا جو مشہور و معروف ثقہ امام ہیں اور قتادہ نے اسے ابو الطفیل عامر بن واثلہ لیشی متوفی ۱۱۰ھ سے نقل کیا جو مشہور و معروف صحابی ہیں اور سب سے آخر میں فوت ہونے والے صحابی یہی ہیں۔ موصوف ابو الطفیل نے یہ حدیث مشہور صحابی حذیفہ بن اسید سے نقل کی ہے۔ یہ روایت جیسا کہ امام عیسیٰ نے کہا حسن ہے اور اس کے معنوی متابع و شاہد موجود ہیں۔ اس لئے حسن سے ترقی کر کے یہ حدیث صحیح کے درجہ کو پہنچ جاتی ہے۔

حدیث حذیفہ سے مستنبط ہونے والے مسائل

اس حدیث سے واضح طور پر یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ میت مذکور (نجاشی) کی نماز جنازہ پڑھنے کا حکم دینے کے ساتھ ہی ساتھ آپ نے یہ صراحت کر دی تھی کہ نجاشی کی جو نماز جنازہ ابھی پڑھی جانے والی ہے اس میں جن لوگوں کا ارادہ ہو وہ شریک ہوں اور نماز جنازہ پڑھیں لیکن جو لوگ نہ پڑھنا چاہیں انہیں اس کا پڑھنا لازم نہیں کیونکہ دوسروں کے پڑھ لینے سے اس نماز کی ذمہ داری باقی لوگوں سے ساقط ہو جائے

گی چونکہ آپؐ یہ نماز پڑھنے کا عزم رکھتے تھے اور جانتے تھے کہ بہت سارے لوگ آپؐ کے ساتھ اس نماز میں شریک ہوں گے اس لئے آپؐ کو یقین تھا کہ یہ نماز بہت سارے لوگ تو پڑھ ہی لیں گے اس لئے جو لوگ نہ چاہیں ان پر اس کا پڑھنا لازم اور فرض نہیں ہے اس سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ نماز جنازہ شریعت کی نظر میں فرض کفایہ ہے جسے اگر کچھ لوگ ادا کر لیں تو دوسروں سے اس کی فرضیت ساقط ہو جائے گی۔

اس حدیث میں یہ صراحت بھی ہے کہ آپؐ نے اہل ایمان کو خطاب کر کے کہا کہ اپنے بھائی کی نماز جنازہ پڑھو جس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے فوت ہونے والے پر بھائی کی نماز جنازہ پڑھنی فرض کفایہ ہے کیونکہ ہر مسلمان دوسرے تمام مسلمانوں کا بھائی ہے جیسا کہ قرآن مجید کا ارشاد ہے کہ ”انما المؤمنون اخوة فاصلحوا بین اخویکم“ (پ ۲۶ سورۃ الحجرات: ۱۰) جس سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شرعاً ہر مومن و مسلم کو دوسرے مومن و مسلم کا بھائی قرار دیا ہے۔ اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ جس مرنے والے پر ہمارے اعتبار سے شرعاً فقط ”مومن“ کا اطلاق ہو سکتا ہو اور اسے ”مومن“ کہا جاسکے اس کی نماز جنازہ کا پڑھنا مسلمانوں پر فرض ہے اور یہ معلوم ہے کہ شرک و کفر کے علاوہ خواہ کتنے ہی بڑے معاصی و گناہ ہوں ان کا ارتکاب اگرچہ بہت بڑا جرم ہے اور ان کے ارتکاب سے شریعت کی نظر میں مرتکب آدمی فاسق و فاجر کے وصف سے متصف ہو جاتا ہے مگر اس کے باوجود اس سے ”مومن“ کا وصف زائل نہیں ہوتا اس لئے ہر مومن کی نماز جنازہ خواہ وہ فاسق و فاجر و مجرم ہو پڑھنی تمام لوگوں پر فرض کفایہ ہے لیکن چونکہ تھوڑے سے لوگوں کے پڑھ لینے سے بھی تمام لوگوں کے اوپر سے یہ فریضہ ساقط ہو جاتا ہے اس لئے دین کے سربراہ قسم کے مقتدا و پیشوا اور علماء قائدین خود اس طرح کے مجرمین کی نماز جنازہ نہ پڑھیں تاکہ دین دار طبقہ کی طرف سے ایسے مجرم کے ساتھ اس بے توجہی کو دیکھ کر لوگوں کو عبرت و موعظت اور فسق و فجور میں گزفتار لوگوں کو احساس ذلت و ندامت اور

(۳۳)

غلط روی سے باز رہنے کا خیال پیدا ہو۔ اس طرح کے مردہ کے ورثہ، اقرباء اور متعلقین تو نماز جنازہ پڑھ لیں تاکہ یہ فریضہ پوری امت کی طرف سے ادا ہو جائے مگر مذکورہ بالا قسم کی دینی و شرعی مصلحت کو ملحوظ رکھتے ہوئے عام اہل اسلام اس طرح کے آدمی کی نماز جنازہ و تجہیز و تدفین میں شریک نہ ہوں۔ ہمارے رسول ﷺ اس طرح کی باتوں کو ملحوظ رکھتے تھے تاکہ لوگوں کو آپ کے طرز عمل سے عبرت و ہدایت حاصل ہو چنانچہ کئی آدمیوں کی بابت آپ نے لوگوں سے کہہ دیا کہ تم لوگ تو ان کی نماز جنازہ پڑھ لو مگر میں نہیں پڑھوں گا کیونکہ اس کے اندر فلاں فلاں وصف پایا جاتا رہا ہے۔ اس سلسلے میں تفصیل کے بجائے ہم اسی اشارہ کو کافی سمجھتے ہیں۔

عام اہل علم نے حضرت عمر بن خطابؓ کے روکنے کے باوجود رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی بن سلول کی نماز جنازہ جو آپ نے پڑھی اسکی توجیہ میں یہ بات کہی ہے کہ یہ شخص بظاہر مسلمان تھا اور ایسی کوئی بات واضح طور پر آپ کے سامنے نہیں تھی جس کی بنا پر اس پر لفظ مسلمان کا اطلاق نہ ہو سکتا ہو اس لئے آپ نے اس کی نماز جنازہ اس بنیاد پر پڑھ دی کہ اس کے پہلے بالصراحت اس طرح کا نفاق رکھنے والوں پر نماز جنازہ نہ پڑھنے کی کوئی ہدایت آپ کو منجانب اللہ نہیں دی گئی تھی۔

حذیفہ بن اسید والی حدیث مذکور معنوی طور پر متواتر سند سے منقول ہے اور اس کا یہ مفاد ہے کہ نماز جنازہ کے مشروع ہونے کے لئے نماز جنازہ پڑھنے والوں کے سامنے اس میت کی لاش کا موجود و حاضر ہونا ضروری نہیں ہے جس کی نماز جنازہ لوگوں کو پڑھنی ہے۔ ہماری اس کتاب کا اصل موضوع یہی ہے یعنی کہ غائبانہ نماز جنازہ کا دلائل شرعیہ سے اثبات۔

امام ابن حزم نے کہا ہے کہ نجاشی پر غائبانہ نماز جنازہ اتنی واضح دلیل غائبانہ نماز جنازہ کے لئے ہے جس کے خلاف کوئی بھی دلیل موجود نہیں ہے۔

نماز جنازہ کے لئے جماعت ہونا ضروری ہے

نجاشی پر غائبانہ نماز جنازہ آپؐ نے جماعت کے ساتھ پڑھی تھی اور جماعت کے بغیر کسی نماز جنازہ کا پڑھنا آپؐ سے ثابت نہیں ہے نہ آپؐ کے بعد صحابہ و تابعین اور اسلاف میں سے ثابت ہے۔ البتہ یہ ثابت ہے کہ عمیر بن ابی طلحہ نامی صحابی کی نماز جنازہ آپؐ نے اپنے علاوہ صرف دو آدمیوں کے ساتھ پڑھی۔

” ان طلحة دعا رسول الله صلى الله عليه وسلم الى عمرو بن ابي طلحة حين توفي فاتاه رسول الله صلى الله عليه وسلم فصلى عليه في منزلهم فتقدم رسول الله صلى الله عليه وسلم وكان ابو طلحة وراءه وام سليم وراءه ولم يكن معهم غيرهم “ یعنی ابو طلحہ نے اپنے فوت ہو جانے والے لڑکے عمیر کی وفات کے وقت آپؐ کو بلایا تو آپؐ ان کے یہاں گئے اور ان کے گھر ہی عمیر کی نماز جنازہ آپؐ نے پڑھی چنانچہ نماز میں امام کی حیثیت سے آپؐ آگے تھے اور ابو طلحہ اکیلے آپؐ کے پیچھے تھے اور ان کے پیچھے ان کی اہلیہ ام سلیم والدہ انس بن مالک تھیں ان تین افراد کے علاوہ کوئی چوتھا آدمی اس نماز جنازہ میں شریک نہیں ہوا۔ (مستدرک حاکم ج ۱ صفحہ ۳۶۵ و سنن بیہقی ج ۴ صفحہ ۳۰، ۳۱، مجمع الزوائد ج ۳ صفحہ ۳۴ و معجم کبیر للطبرانی قال الهیثمی رجالہ رجال الصحیح و قال الحافظ ابن حجر فی الاصابة فی ترجمة عمرو بن طلحة سنده صحیح ومصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۸۸)

مذکورہ بالا حدیث صحیح ہے اور اس معنی و مفہوم کی حدیث حضرت انس سے بھی مروی ہے (مسند احمد ج ۳ ص ۲۱) اس حدیث سے مستفاد ہوتا ہے کہ نماز جنازہ میں امام کے علاوہ اگر صرف ایک مرد نماز جنازہ پڑھنے والا موجود ہو تو وہ عام نمازوں کی طرح امام کے بغل میں بائیں طرف نہیں کھڑا ہو گا بلکہ وہ امام کے پیچھے تنہا کھڑا ہو گا۔

مذکورہ بالا حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ عورت بھی پڑھ سکتی ہے چنانچہ

(۳۵)

اس سلسلے میں بعض احادیث کا تذکرہ آگے آ رہا ہے کہ آپؐ نے عورتوں کو خطاب کر کے کہا تھا کہ تم لوگ نماز جنازہ پڑھو اور نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھا کرو۔ ہم دیکھتے ہیں کہ سعد بن ابی وقاص کی نماز جنازہ ازواج مطہرات اور دوسری خواتین نے پڑھی تھی۔

ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ ہمارے نبی ﷺ کی نماز جنازہ عورتوں نے بھی پڑھی

تھی اس سلسلے میں وارد شدہ احادیث عام کتب حدیث میں مروی و منقول ہیں (سنن

بیہقی ج ۴ ص ۳۰، تلخیص الحسیر ج ۵ ص ۸۱، مسند احمد ج ۵ ص ۸۱، سنن ابن ماجہ ج ۱

ص ۵۸ تا ۵۰۰، دلائل النبوة للبیہقی ج ۷ ص ۲۲۸ تا ۲۳۲، البدایہ والنہایہ ج ۵ ص

۲۷۳ تا ۲۸۸، سیرت ابن ہشام ج ۴ ص ۳۱۳ تا ۳۱۴، طبقات ابن سعد و کتاب

المغازی للواقفی ج ۳ ص ۱۱۲۰)

حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ:

” وهذا الصنيع وهو صلوتهم عليه فرادی لم يومهم احد عليه امر

مجمع عليه لا خلاف فيه “ یعنی ہمارے رسول ﷺ پر امام و جماعت کے بغیر

سب کا انفرادی طور پر نماز جنازہ پڑھنا اجماعی اور متفق علیہ معاملہ ہے اس میں کسی قسم کا

کوئی اختلاف نہیں ہے “ (البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۲۸۶) ۱۲۔

یہ معلوم ہے کہ کسی معاملہ پر اجماع امت دوسرے دلائل سے مستغنی بنا دیتا

ہے اگرچہ کسی دینی معاملہ پر پوری امت کا اجماع دلیل شرعی کے بغیر نہیں منعقد

ہوا کرتا۔ ہم اختصار کے پیش نظر اس تفصیل کو نظر انداز کرتے ہیں۔

روایات پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کی تکفین کر کے آپؐ کی

قبر کے پاس آپؐ کو رکھ دیا گیا تھا اور آپؐ کی قبر آپؐ کے حکم کے مطابق حجرہ ام

المومنین عائشہ صدیقہ میں کھودی گئی تھی آپؐ پر نماز جنازہ پڑھنے کے لئے پہلے مرد

گروہ درگروہ داخل ہو کر صف بہ صف ہو کر اپنے اپنے طور پر منفرد نماز پڑھتے رہے ان

کے بعد عورتوں کی باری آئی پھر بچوں نے نماز پڑھی۔ یہ معلوم ہے کہ جس حجرہ عائشہ

میں آپؐ مدفون ہیں وہ بہت چھوٹا سا کمرہ تھا اس میں بیک وقت زیادہ آدمی نہیں آسکتے تھے اسی لئے نماز جنازہ مکمل ہونے میں اچھا خاصا وقت لگ گیا۔ یہ بالکل ظاہر بات ہے کہ جماعت اور امام کے بغیر آپؐ کی نماز جنازہ کا پڑھا جانا آپؐ کی خصوصیات میں سے ہے۔ امت کے لئے یہ حکم نہیں ہے۔ یہ معلوم ہے کہ بہت سارے امور میں ہمارے رسول ﷺ کے لئے امت کے بالمقابل کچھ خصوصیات ہیں۔

نجاتی پر پڑھی جانے والی غائبانہ نماز جنازہ کی تفصیل نہیں معلوم ہو سکی کہ آپؐ نے صحابہ کو کس طرح سے نماز پڑھائی صرف اس قدر معلوم ہے کہ آپؐ نے لوگوں کو عام نمازوں کی طرح اس میں بھی صف بندی کا حکم دیا اور چار تکبیروں کے ساتھ آپؐ نے یہ نماز پڑھائی اسی طرح متعدد موجود لاشوں پر بھی آپؐ کی پڑھی گئی نماز جنازہ کی تفصیلی کیفیت معلوم نہیں ہے مگر دوسری احادیث سے تفصیل معلوم ہوتی ہے۔ ہم بھی نماز جنازہ کی تفصیلی کیفیت بیان کرنے کی طرف توجہ اس لئے دیں گے کہ غائبانہ نماز جنازہ بالکل حاضرانہ نماز جنازہ ہی کی طرح پڑھی جاتی ہے دونوں کے وصف و کیف میں شرعاً کوئی تفریق نہیں ہے۔

نماز جنازہ کے لئے اوقات ممنوعہ

صحیح مسلم وغیرہ میں حضرت عقبہ بن عامرؓ سے مروی ہے کہ :

”ثلاث ساعات كان رسول الله صلى الله عليه وسلم ينهاها ان

نصلي فيهن او نقبر فيهن موتانا حين تطلع الشمس بازغة حتى ترتفع وحين

يقوم قائمة الظهر حتى تميل الشمس وحين تضع الشمس للغروب حتى

تغرب“ یعنی رسول ﷺ ہم کو تین اوقات میں نماز پڑھنے اور قبروں میں مردوں کی

تدفین سے منع فرمایا کرتے تھے ایک سورج طلوع ہونے کے وقت جب تک کہ وہ

باقاعدہ روشن ہو کر بلند نہ ہو جائے دوسرے زوال سے پہلے دوپہر میں جب آفتاب

نصف نہار میں ہو یعنی ضحوة کبریٰ کے وقت تیسرے آفتاب غروب ہونے کے وقت

(۳۷)

حتیٰ کہ سورج اچھی طرح غروب ہو جائے“ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۲۳ و سنن ابن ماجہ ج ۱ ص ۴۶۳، سنن بیہقی ج ۲ ص ۳۲، مسند طرابلسی ۱۰۰۱، مسند احمد ج ۲ ص ۱۵۲)

حدیث مذکور میں ان تینوں اوقات میں نماز پڑھنے سے مطلقاً منع کیا گیا ہے اور یہ معلوم ہے کہ نماز جنازہ ایک نماز ہے نیز مندرجہ ذیل روایت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان اوقات میں نماز جنازہ پڑھنے سے منع کیا گیا ہے:

”عن محمد بن ابی حرملة أن زينب بنت أبي سلمة توفيت وطارق أمير المدينة فأتى بجنازتها بعد صلاة الصبح فوضعت بالبقيع قال وكان طارق يغلس بالصبح قال ابن أبي حرملة فسمعت عبد الله بن عمر يقول لاهلها أما ان تصلوا على جنازتكُم الآن وأما ان تتركوها حتى ترتفع الشمس“ یعنی محمد بن ابی حرمہ نے کہا کہ زینب بنت ابی سلمہ کا انتقال ہوا اور اس وقت امیر مدینہ طارق بن عمرو مکی تھے۔ حضرت زینب بن ابی سلمہ کا جنازہ لاکر حتہ البقیع میں نماز پڑھنے کی جگہ نماز فجر کے بعد رکھا گیا اور طارق کا معمول تھا کہ نماز فجر غلس (اندھیرے منہ اول وقت میں) پڑھا کرتے تھے تو حضرت عبداللہ بن عمر بن خطاب نے جنازہ والوں سے کہا کہ یا تو اسی وقت طلوع آفتاب کا سلسلہ شروع ہونے سے پہلے اس جنازہ کی نماز پڑھ لویا پھر اسے اس وقت تک ملتوی رکھو کہ سورج نکل کر روشن و بلند ہو جائے (موطأ امام مالک ج ۲ ص ۲۲۸ و سنن بیہقی ج ۲ ص ۳۲) ظاہر ہے کہ حضرت ابن عمر نے موقف مذکور فرمان نبوی کے مطابق اختیار کیا تھا۔

امام ابن جریر سے مروی ہے کہ:

”اخبرني زياد ان عليا أخبزه أن جنازة وضعت في مقبرة أهل البصرة حين أصفرت الشمس فلم يصل عليها حتى غربت الشمس فامر أبو برزة النادي ينادي ثم أقامها فصلى بهم المغرب وفي الناس انس بن مالك و أبو برزة من الأنصار من أصحاب فتقدم أبو برزة من الأنصار من أصحاب

النبي صلى الله عليه وسلم ثم صلوا على الجنازة “ یعنی حضرت انس بن مالک والوبرزہ صحابہ کی موجودگی میں مقبرہ اہل بصرہ میں سورج میں زردی آجانے کے بعد رکھا گیا تو اس کی نماز جنازہ غروب آفتاب سے پہلے نہیں پڑھی گئی۔ غروب آفتاب ہونے پر حضرت ابو برزہ کے حکم سے مغرب کی آذان کہی گئی اور بعد نماز مغرب جنازہ کی نماز پڑھی گئی (سنن بیہقی ج ۳ ص ۳۳۳ بسند جید صحیح) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد صحابہ میں ان اوقات میں نماز جنازہ نہ پڑھنے کا رواج تھا۔

موطا میں منقول ہے کہ :

” قال ابن عمر يصلى على الجنائز بعد العصر وبعد الصبح اذا صلينا لوقتہما “ یعنی ابن عمر نے کہا کہ جب عصر و فجر کی نماز اپنے صحیح وقت پر پڑھی جائے تو ان کے بعد نماز جنازہ پڑھی جاسکتی ہے یعنی طلوع و غروب آفتاب شروع ہونے سے پہلے (موطاء امام مالک ج ۱ ص ۲۲۸)

البتہ حالت اضطرار و عذر کی بات دیگر ہے عذر و اضطرار کی صورت میں اس حکم کے خلاف عمل ہو سکتا ہے۔

مذکورہ بالا روایت کا مفاد یہ ہے کہ رات میں نماز جنازہ پڑھی جاسکتی ہے اور تدفین بھی ہو سکتی ہے اور رسول اللہ ﷺ نیز حضرت ابو بکر و عمر فاروق کی تدفین رات ہی میں ہوئی تھی۔ تو اتر معنوی سے اس کا ثبوت عہد نبوی سے لیکر آج تک ہے۔ نماز جنازہ میں جماعت جتنی بڑی ہوگی اتنا ہی اچھا ہوگا اس کی طرف شریعت نے کافی توجہ دلائی ہے کہ مسلمان کے جنازہ میں لوگ زیادہ سے زیادہ شریک ہوں۔

حضرت براء بن عازب سے مروی ہے :

” امرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم بسبع ونهانا عن سبع امرنا بعيادة المريض واتباع الجنائز وتشميت العاطس ورد السلام واجابة الداعي “ یعنی ہم کو رسول اللہ ﷺ نے سات باتوں کا حکم دیا اور سات

(۳۹)

باتوں سے منع کیا جن باتوں کا حکم دیا وہ یہ ہیں مریض کی عیادت، جنازوں میں شرکت، چھینکنے والے کے الحمد للہ کہنے کا جواب، سلام کا جواب، داعی کی دعوت کی قبولیت الحدیث (متفق علیہ)

حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ :

” حق المسلم علی المسلم خمس رد السلام، وعیادة المریض واتباع الجنائز واجابة الدعوة وتشمیت العاطس “ (متفق علیہ) وفي رواية ” حق المسلم ست اذا لقيه فسلم. واذا دعاك فاجبه واذا استنصحتك فانصح له واذا عطس فحمد الله فشمته واذا مرض فعده واذا مات فاتبعه (رواه مسلم) یعنی ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر پانچ حق ہے سلام کا جواب مریض کی عیادت، جنازوں میں شرکت، قبول دعوت، چھینکنے والے کے الحمد للہ کہنے کا جواب ایک دوسری روایت میں چھ حقوق کا ذکر ہے چھٹا حق بوقت ملاقات سلام۔ اس معنی و مفہوم کی بہت ساری احادیث نبویہ ہیں جن میں مسلمانوں کو جنازہ اور تجہیز و تکفین و تدفین میں شریک ہونے کی ترغیب دی گئی ہے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری سے مروی ہے کہ :

” ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم خطب یوما فذکر رجلا من اصحابہ قبض فکفن فی کفن غیر طائل وقبر لیلا فزجر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یقبر الرجل باللیل حتی یصلی علیہ الا ان یضطر انسان الی ذلک وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا کفن احدکم اخاه فلیحسن کفنه “ یعنی آپ ﷺ نے ایک دن خطبہ دیتے ہوئے فوت ہونے والے ایک صحابی کا ذکر کیا جسے اچھے کپڑے میں نہیں کفانایا گیا اور رات ہی میں دفن کر دیا گیا آپ ﷺ نے ایسا کرنے سے روکتے ہوئے کہا کہ رات میں کسی مردہ کو اس طرح نہیں دفن کر دینا چاہئے کہ زیادہ لوگ اس کی نماز جنازہ نہ پڑھ سکیں بلکہ اس کی تدفین اس طرح ہو کہ

(۴۰)

زیادہ لوگ شریک نماز جنازہ ہو سکیں الا یہ کہ اضطرابی اور مجبوری کی صورت میں ایسا کر سکتے ہیں نیز آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم کسی کو کفن دو تو اچھا کفن دو (صحیح مسلم مع شرح نووی ج ۱ ص ۳۰۶)

اس حدیث میں رات میں مردہ دفن کرنے سے اس بنیاد پر منع کیا گیا ہے کہ جھکے سے تھوڑے سے لوگ نماز جنازہ پڑھ کر اسے دفن کر دیں چنانچہ بعض روایات میں منقول ہے کہ آپ کی تکلیف کے پیش نظر لوگوں نے بعض مردوں کی نماز جنازہ خود پڑھ کر آپ ﷺ کو خبر دے بغیر دفن کر دیا تو آپ ﷺ نے اس سے منع کرتے ہوئے فرمایا کہ مجھے خبر کر دیتے تاکہ میں بھی اس کی نماز جنازہ میں شریک ہو جاتا۔ بس اس قسم کی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آپ ﷺ نے خطبہ میں یہ بات کہی تھی کہ لوگوں کو باقاعدہ نماز جنازہ میں شرکت کے لئے خبر دے بغیر جھکے سے تھوڑے سے آدمیوں کا نماز جنازہ پڑھ کر دفن کر دینا ٹھیک نہیں ہے۔ ورنہ رات میں دفن کرنے سے آپ ﷺ نے منع نہیں کیا ہے اگر لوگوں کو باقاعدہ خبر دی جائے تاکہ لوگ زیادہ سے زیادہ شریک نماز جنازہ ہو سکیں تو رات میں نہ نماز جنازہ ممنوع ہے نہ تدفین ممنوع ہے بلکہ اس کا ثبوت بہت زیادہ قوی سندوں سے موجود ہے۔

اس حدیث نبوی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز جنازہ میں زیادہ سے زیادہ لوگوں کو شریک ہونے کے لئے دعوت، اور موقع دینا مسنون و مستحب اور بہتر ہے بلکہ خاموشی سے بہت تھوڑے سے لوگوں کا جھکے سے نماز جنازہ پڑھ کر تدفین کر دینا ممنوع ہے الا یہ کہ کوئی خاص ضرورت و مجبوری اور پیش ہو۔

یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ نماز جنازہ اگرچہ ابتدائے زمانہ سے مسلمانوں میں رائج تھی مگر اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن مجید میں کافی تاخیر سے آیت نازل ہوئی اور ایسا بہت ہوا ہے کہ ایک بات کے لئے وحی خفی کے ذریعہ حکم موجود تھا مگر قرآن مجید میں ان سے متعلق حکم ربانی بعد میں نازل ہوا۔

(۴۱)

نماز جنازہ کے سلسلے میں حکم قرآنی

خطبہ کتاب میں جس قرآنی آیت کا ذکر ہم نے کیا ہے اس کا اردو ترجمہ یہ ہے:

”اے رسول! آپ مومنوں کے مال کی زکوٰۃ وصول کر کے انہیں صاف ستھرا بنائیں اور ان کی نماز جنازہ پڑھیں اور ان کے لئے دعائے مغفرت کریں کیونکہ آپ ﷺ کی نماز جنازہ اور دعائے رحمت آپ کے لئے باعث تسکین ہے۔“

اس بات پر پوری امت کا اجماع و اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے رسول ﷺ کو جو احکام دئے گئے ان کی تعمیل پوری امت پر ضروری ہے اس حکم عام سے صرف وہ باتیں مخصوص و مستثنیٰ ہیں جن کے مخصوص و مستثنیٰ ہونے پر دلیل شرعی موجود ہو لہذا مذکورہ بالا آیت کے مطابق جس طرح تمام اہل ایمان پر زکوٰۃ فرض قرار پاتی ہے جب کہ وہ مالدار ہوں اس طرح تمام ہی لوگوں پر مرنے والے اہل ایمان کے لئے نماز جنازہ بھی فرض قرار پاتی ہے البتہ چونکہ یہ ممکن نہیں کہ ہر مرنے والے مسلمان کی نماز جنازہ دنیا کے تمام ہی اہل اسلام پڑھ سکیں اس لئے یہ نماز فرض کفایہ ہے یعنی اسے کچھ لوگ بھی اگر پڑھ لیں تو اس کا وجوب عام لوگوں سے ساقط ہو جاتا ہے۔

بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکور شدہ قرآنی آیت کے لفظ ”صل علیہم فان صلوتک سکن لہم“ کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم تھا کہ صدقہ و زکوٰۃ ہونے پر صدقہ و زکوٰۃ دینے والوں کے لئے دعائے خیر کریں مگر یہ احادیث اس کے منافی نہیں کہ اس آیت میں نماز جنازہ پڑھنے کا حکم بھی دیا گیا ہے کیونکہ ایک ہی آیت کے متعدد معانی ہوتے ہیں اور بعض مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں نماز جنازہ سے متعلق احادیث نبویہ بھی نقل کی ہیں۔ چنانچہ تفسیر درمنثور سیوطی ج ۳ ص ۲۸۱، ۲۸۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۹۸۳ء میں آیت مذکورہ کے سلسلے میں حضرت یزید بن ثابت سے منقول ہے رسول اللہ ﷺ نے ایک قبر پر

(۴۲)

نماز جنازہ پڑھی اور فرمایا ” ان صلوتی علیہ رحمۃ “ یعنی مردے پر میری پڑھی ہوئی نماز جنازہ باعث رحمت ہے۔

مذکورہ بالا حدیث حافظ سیوطی نے بحوالہ ابن ابی شیبہ نقل کی ہے مگر حدیث مذکور ابن ابی شیبہ کے علاوہ بہت سارے محدثین نے روایت کی ہے اور اس کی متعدد سندیں ہیں اور بلحاظ سند یہ حدیث صحیح ہے (ملاحظہ ہو ارواء الغلیل ج ۳ ص ۱۸۵ بحوالہ سنن نسائی ج ۴ ص ۸۴ حدیث نمبر ۲۰۲۲ و ابن ماجہ حدیث نمبر ۵۲۸ و مسند احمد ج ۴ ص ۳۸۸ و سنن بیہقی ج ۴ ص ۸۸ وغیرہ)

شریعت کا یہ حکم عام ہے کہ ہر مومن کی نماز جنازہ پڑھی جائے چاہے میت حاضر ہو یا غائب

اس کا حاصل یہ ہے کہ آیت مذکورہ نماز جنازہ کی مشروعیت اور وجوب پر دال ہے اور ظاہر ہے کہ یہ حکم عام ہے کہ تمام اہل ایمان کی نماز جنازہ پڑھی جائے قرآن مجید کے اس حکم عام کے خلاف کوئی بھی نقل قرآنی یا نص نبوی نہیں جس کا مفاد یہ ہو کہ نماز جنازہ کی مشروعیت کے لئے میت کا نمازیوں کے سامنے موجود ہونا شرط ہے بلکہ اس کا مفاد یہ ہے کہ تمام اہل ایمان کی نماز جنازہ پڑھی جائے لہذا جو لوگ نماز جنازہ کی مشروعیت کے لئے میت کا نمازیوں کے سامنے ہونا لازم قرار دیتے ہیں وہ قرآن مجید اور شریعت کے حکم عام پر ایک ایسا اضافہ کرتے ہیں جس کا کوئی ثبوت اور کوئی ذکر کسی بھی دلیل شرعی میں نہیں ہے اور متفق علیہ بات ہے کہ شریعت کے کسی بھی حکم عام میں سے کسی قسم کی مزید شرط یا قید لگانی کسی دلیل شرعی کے بغیر جائز نہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ نماز جنازہ میں پڑھی جانے والی مشہور و معروف ماثور دعائیں یہ منقول ہے کہ :

” اللہم اغفر لحینا ومیتنا وشاہدنا وغائبنا الحدیث (رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ والنسائی وغیرہم بسند صحیح) یعنی کہ ہم اس میت پر

(۴۳)

پڑھی جانے والی نماز جنازہ میں اپنے زندہ و مردہ اور حاضر و غائب، چھوٹے بڑے، مرد و عورت سب کے لئے اپنے رب سے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔“

اس حدیث میں جی، شاید، غائب کے الفاظ بھی آئے ہیں اور شاید غائب میں مردہ بھی ہوتے ہیں اور زندہ بھی اور جی بہر حال زندہ ہی ہوتا ہے اور کوئی شک نہیں کہ ہم بشمول نماز جنازہ عام نمازوں میں تمام چھوٹے بڑے، غائب و حاضر اور زندہ مردہ مسلمانوں اور مومنوں کے لئے دعائے مغفرت کرے ہیں لیکن زندہ آدمی کے لئے نماز جنازہ کا مشروع نہ ہونا بہت واضح طور پر ثابت ہے۔ قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیت:

”ولا تصل علی احد منہم مات ابدا ولا تقم علی قبرہ“ (پ ۱۰ سورۃ التوبہ: ۸۴) یعنی مر جانے والے منافقوں میں سے آپ ﷺ کسی کی بھی نماز جنازہ نہ پڑھیں۔

سے مستفاد ہوتا ہے کہ مر جانے والے تمام مومنوں کی نماز جنازہ مشروع ہے جس کا مفہوم مخالف یہ نکلتا ہے کہ غیر مردہ یعنی زندہ آدمی کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے اور یہ معلوم ہے کہ جس مفہوم مخالف کو حجت ماننے میں شرعی مانع اور شرعی قرینہ نہ موجود ہو وہ حجت ہے اور غیر مردہ آدمی کی نماز جنازہ کے غیر مشروع ہونے پر مشاہدات کے قرائن موجود ہیں مگر جس میت کی لاش نمازیوں کے سامنے موجود نہ ہو اس کی نماز جنازہ کی مشروعیت پر شرعی دلیل موجود ہے اس لئے زندہ اور غیر موجود میت کے درمیان فرق بہت واضح ہے لہذا حدیث نبوی میں وارد شدہ مذکورہ بالا دعائے نماز جنازہ سے ہمارا استدلال درست ہے اور اس کے نادرست و غیر صحیح ہونے پر کوئی دلیل شرعی نہیں موجود ہے۔ اس سلسلے میں دلائل کی تفصیل آنے والے صفحات میں پوری تحقیق کے ساتھ پیش کی گئی ہے۔

شاہ حبشہ نجاشی پر نبی ﷺ کی غائبانہ نماز جنازہ متواتر المعنی حدیث سے ثابت ہے جس کے رد میں مانعین نماز جنازہ غائبانہ جو کچھ بھی کہتے ہیں اس کا حاصل یہ ہے کہ

(۴۴)

حبشہ میں نجاشی پر نماز جنازہ پڑھے بغیر ہی موصوف کو دفن کر دیا گیا تھا اس لئے آپ ﷺ نے موصوف کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھی۔ ان مانعین نماز جنازہ غائبانہ میں سے بعض حضرات ایسی صورت میں غائبانہ نماز جنازہ کی مشروعیت کے قائل ہیں کہ کسی بھی سبب سے مسلمان مردہ پر اگر نماز جنازہ نہ پڑھی گئی ہو اور اسی طرح اسے دفن کر دیا گیا ہو تو اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھنی مشروع ہے ایسے لوگوں سے ہمارا یہ کہنا ہے کہ غائبانہ نماز جنازہ کے غیر مشروع ہونے پر آپ کا استدلال یہ ہے کہ نجاشی کے علاوہ کسی پر آپ ﷺ کا غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا ثابت نہیں تو کیا آپ کے اس موقف پر کوئی ثابت شدہ دلیل موجود ہے کہ نجاشی کے علاوہ کسی دوسرے پر آپ ﷺ نے نماز جنازہ غائبانہ نہیں پڑھی؟ ظاہر ہے کہ یہ لوگ اس پر کوئی دلیل نہ پیش کر سکیں گے۔

نیز ہم کہتے ہیں کہ مذکورہ بالا قرآنی آیت کے عین مطابق غائب و حاضر میت کے درمیان تفریق کے بغیر ہمارے نبی ﷺ نے مدینہ منورہ سے بہت دور ملک حبشہ میں فوت ہونے والے حبش حکمران نجاشی اصحمہ کی غائبانہ نماز جنازہ بڑے اہتمام سے صحابہ کو جمع کر کے پڑھی جب کہ موصوف نجاشی کی لاش اور میت آپ ﷺ کے سامنے موجود نہیں تھی بلکہ نجاشی کی موت دوسرے ملک میں مدینہ منورہ سے بہت دور ہوئی تھی۔ اور موصوف نجاشی کو حبشہ ہی میں دفن کر دیا گیا تھا اسی طرح ہمارے رسول ﷺ جب غزوہ تبوک کے سفر پر تھے تو مدینہ منورہ میں مشہور صحابی حضرت معاویہ لیشی یا مزی کی موت ہو گئی آپ ﷺ کو سفر ہی میں موصوف معاویہ کی وفات کی خبر ہوئی اور آپ ﷺ نے سفر ہی میں مدینہ منورہ سے کافی دور معاویہ کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔ اس کی تفصیل پوری تحقیق کے ساتھ آگے آرہی ہے۔ ناظرین کرام منتظر رہیں۔

”صلوا علی کل میت“ اور اس کی ہم معنی حدیثوں پر بحث

ہماری بیان کردہ مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق قرآنی آیت سے مستفاد ہونے

(۲۵)

والے حکم کے موافق متعدد روایات منقول ہیں مثلاً امام ابن ماجہ نے کہا کہ :

”حدثنا احمد بن يوسف السلمی ثنا مسلم بن ابراهيم ثنا الحارث بن بنیان ثنا عتبة بن يقظان عن ابی سعيد عن مكحول عن واثلة بن الاسقع قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم صلوا على كل ميت وجاهدوا مع كل امير“ یعنی واثلہ بن الاسقع نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر میت کی نماز جنازہ پڑھو اور ہر امیر کے ساتھ مل کر جہاد کرو (سنن ابن ماجہ محقق از فواد عبد الباقی کتاب الجنائز حدیث نمبر ۱۵۲۵ ج ۱ ص ۳۸۸)

اس حدیث پر سنن ابن ماجہ کے محقق فواد عبد الباقی اور علامہ البانی کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ سند مذکور سے مروی شدہ یہ روایت مطلقاً ساقط الاعتبار ہے کیونکہ اس کا ایک راوی ابو سعید محمد بن سعید مصلوب و ضاع و کذاب ہے اور دوسرا راوی حارث بن بہان متفقہ طور پر ضعیف ہے اور تیسرا راوی عتبہ بن یقظان بھی ضعیف ہے (ارواء الغلیل للعلامہ البانی ج ۲ ص ۳۰۹)۔

اس مفہوم کی حدیث ”صلوا علی من قال لا الہ الا اللہ“ ابن عمر سے مروی ہے مگر اس کی سند بھی بہت ضعیف ہے اس طرح اس معنی کی متعدد روایات ہیں جو باعتبار سند ساقط الاعتبار ہیں۔

علامہ البانی نے کہا کہ : ”فقد تبين من هذا التخریج والتتبع لطرق هذا الحديث انها كلها واهية جدا كما قال الحافظ في التلخیص ص ۱۲۵ الخ“ یعنی اس حدیث کے طرق و اسانید کی مفصل تخریج و تلاش سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اس کی ساری سندیں بہت زیادہ ضعیف و ساقط الاعتبار ہیں۔ (ارواء الغلیل ج ۲ ص ۳۱۰)

ہم کہتے ہیں کہ یہ روایت سنن ابی داؤد و سنن دارقطنی و سنن بیہقی وغیرہ میں معنوی طور پر بایں الفاظ مروی ہے کہ :

(۴۶)

” وَالصَّلَاةُ وَاجِبَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ بَرٍّ أَوْ فَاجِرٍ وَ إِنْ عَمِلَ الْكِبَائِرَ “
یعنی ہر مسلمان میت کی نماز جنازہ پڑھنی واجب ہے خواہ وہ نیک ہو یا فاجر خواہ وہ کبائر کا ارتکاب کرنے والا ہی کیوں نہ ہو۔

مشکوٰۃ المصابیح باب الامامة فصل دوم میں یہ حدیث انہیں الفاظ میں منقول

ہے۔

امام ابو داؤد نے کہا کہ :

” حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ حَدَّثَنِي مُعَاوِيَةُ عَنْ الْعَلَاءِ بْنِ الْحَارِثِ عَنْ مَكْحُولٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْجِهَادُ وَاجِبٌ عَلَيْكُمْ الْحَدِيثُ (سنن ابی داؤد مع عون المعبود کتاب الجہاد باب فی الغزو مع ائمة الجور ج ۸ ص ۲۰۶ نیز ملاحظہ ہو سنن بیہقی ج ۴ ص ۱۹) یعنی مشکوٰۃ میں مذکور شدہ حدیث کی سند امام ابو داؤد نے یہی بیان کی ہے امام بیہقی نے کتاب المعرفة میں کہا یہ سند صحیح ہے البتہ ابو ہریرہ و مکحول کے درمیان ارسال ہے یعنی کہ یہ حدیث مرسل ہے۔ امام دارقطنی نے مکحول تک اس کی ایک دوسری سند کا ذکر بھی کیا ہے (سنن دارقطنی ج ۱ ص ۱۸۴)

یہ معلوم ہے کہ مرسل حدیث احناف و مالکیہ کے نزدیک مطلقاً حجت ہے اور دوسرے اہل علم کے نزدیک بعض شرائط کے ساتھ حجت ہے جن میں سے ایک یہ ہے کہ وہ دوسری متصل سند سے خواہ ضعیف ہو مروی ہو اور یہ معلوم ہے کہ معنوی طور پر یہ حدیث دوسری بہت سی متصل سندوں کے ساتھ مروی ہے جو مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق ساقط الاعتبار ہیں مگر سب کے مجموعہ سے سنن ابی داؤد (والی مرسل روایت کی معنوی شاہد و متابع بننے کی صلاحیت ان میں بہر حال ہے۔

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہ حدیث نص قرآنی کے مفہوم کے مطابق ہے جس کا ما حاصل یہ ہے کہ حاضر و غائب میت کی تفریق کے بغیر ہر مسلمان کی نماز

(۴۷)

جنازہ پڑھنے کی شریعت نے اجازت دی ہے۔

نجاشی پر نبی ﷺ کی نماز جنازہ غائبانہ نیز معاویہ لیشی پر بھی اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ نماز جنازہ کی مشروعیت کے لئے میت کا نمازیوں کے سامنے حاضر و موجود ہونا ضروری نہیں ہے۔

یہ معلوم ہے کہ جو میت امام کے سامنے موجود ہوتی ہے اس کا دوسری صفوں کے نمازیوں کو نظر آنا ضروری نہیں اس اعتبار سے عام نمازیوں کی نظر سے بہر حال اس صورت میں بھی مردہ کی لاش موجود نہیں ہوتی۔

قرآنی آیت ”وَلَا تَصِلْ عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمْ الْآيَةُ“

اور نماز جنازہ

خطبہ کتاب میں ہماری ذکر کردہ آیت پر غور کرنے کی حاجت ہے کہ :

”وَلَا تَصِلْ عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَى قَبْرِهِ إِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَمَاتُوا وَهُمْ فَاسِقُونَ“ (فس (پ ۱۰ سورۃ التوبہ : ۸۴) یعنی فوت ہو جانے والے منافقوں میں سے کسی کی بھی نماز جنازہ آپ ﷺ نہ پڑھیں نہ اس کی قبر ہی پر کھڑے ہوں کیونکہ انہوں نے اللہ اور رسول کے ساتھ کفر کیا اور فاسق ہونے کی حالت میں انہیں موت آئی۔

اس آیت میں منافق اور اس قسم کے لوگوں کی نماز جنازہ پڑھنے کی ممانعت کی گئی ہے جس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ مومن کی نماز جنازہ پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے اس میں اس کی کوئی قید و شرط نہیں کہ نماز جنازہ اس مسلمان میت کی پڑھی جائے جس کی لاش نمازیوں کے سامنے حاضر و موجود ہو اور یہ معلوم ہے کہ جس مفہوم مخالف کو مراد لینے سے کوئی شرعی مانع نہ موجود ہو اسے تحت بنایا جائے گا اور یہاں معاملہ یہ ہے کہ اس کے مفہوم مخالف پر عمل نبوی موجود ہے آپ ﷺ نے غائبانہ نماز جنازہ نجاشی کی پڑھی

(۳۸)

اور اسی طرح کی بات معاویہ لیشی کی بابت بھی منقول ہے۔ البتہ ہم عرض کر چکے ہیں کہ نماز جنازہ بذات خود فرض کفایہ ہے اس لئے جس میت کی ایک بار نماز جنازہ پڑھ لی گئی ہو اس پر غائبانہ طور پر یا حاضرانہ طور پر دوبارہ، سہ بارہ نماز جنازہ کا پڑھنا صرف مسنون و مستحب ہی رہ جاتا ہے۔

اس بات کا ثبوت ہے کہ نبی ﷺ نے ایسی میتوں کی قبروں پر نماز جنازہ پڑھی جن کو ایک بار نماز جنازہ پڑھ کر دفن کیا جا چکا تھا اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایک میت کی نماز جنازہ ایک سے زیادہ مرتبہ پڑھنی مشروع ہے اس سلسلے میں بہت ساری روایت مرفوعہ و موقوفہ منقول و مروی ہیں اسی پر عام صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم رحمہم اللہ کا عمل رہا۔

یہ ثابت ہے کہ شاہ حبشہ نجاشی کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھنے کا حکم دیتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ ”صلوا علی اخیکم“ (متفق علیہ) یہ حدیث متواتر المعنی ہے جس کا مفاد ہے کہ مسلمانوں کے مسلمان بھائی پر نماز جنازہ پڑھی جائے یعنی کہ جس کلمہ گو سے مسلمان ہونے کی نفی شرعی دلائل سے نہیں ہو سکتی خواہ وہ کتنا ہی زیادہ گناہ گار ہو وہ بہر حال مسلمانوں کا مسلمان بھائی ہے اس اعتبار سے یہ متواتر المعنی حدیث نبوی ”صلوا علی کل یز و فاجر“ اور اس کی ہم معنی احادیث کی معنوی متابع و شاہد ہے جن میں سے بعض میں صرف ارسال کی علت ہے اور مرسل ہونے کی یہ علت دوسرے طرق و اسانید سے دور ہو جاتی ہے خاص طور پر نجاشی والی وہ حدیث جس میں ”صلوا علی اخیکم“ کا لفظ آیا ہوا ہے اور وہ مطلقاً صحیح و معتبر ہے۔

ہر مومن کے لئے نماز جنازہ مشروع ہے

ناظرین کرام مندرجہ ذیل آیت قرآنیہ کی تلاوت غور و تدبر کے ساتھ کریں:

”وإن من أهل الكتاب من يؤمن بالله وما أنزل اليكم وما أنزل

(۴۹)

اليهم خاشعين لله لا يشترون بآيات الله ثمنا قليلا اولئك لهم اجرهم عند ربهم ان الله سريع الحساب “ (پ ۴ سورۃ آل عمران: ۱۹۹) یعنی اہل کتاب میں سے یقیناً کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں اور اس پر بھی ایمان رکھتے جو تمہاری اور ان کی طرف منجانب اللہ نازل کیا گیا وہ اللہ سے خشوع رکھنے والے ہیں اور اللہ کی آیتوں کے بدلے معمولی قیمت کا سودا نہیں کرتے ان کے لئے ان کے رب کے پاس ان کا اجر ملے گا بیشک اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے۔

مذکورہ بالا آیت کے شان نزول کے سلسلے میں اہل علم نے متعدد احادیث صحیحہ اس معنی کی نقل کی ہیں کہ شاہ حبشہ اصحمتہ نجاشی کی غائبانہ نماز جنازہ جب رسول اللہ ﷺ نے پڑھنے کا حکم دیا تو بعض منافقوں نے یہ اعتراض کیا کہ آپ ﷺ ہمیں ایک حبشی کافر کی نماز جنازہ پڑھنے کا حکم کیوں دے رہے ہیں ان منافقوں کے جواب اور رد میں آیت مذکورہ نازل ہوئی کہ موصوف حبشی حکمران کافر نہیں بلکہ مومن ہیں لہذا ان کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھنے میں کوئی حرج اور قباحہ نہیں ہے۔ اس سلسلے میں وارد شدہ ساری احادیث میں سے ایک حدیث کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

”عن انس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم قوموا فصلوا على اخيكم النجاشي فقال بعضهم تاملنا ان نصلني على عجل من حبشة فانزل الله تعالى وان من اهل الكتاب ليومن بالله الى آخر السورة “ یعنی حضرت انس بن مالک انصاری سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کھڑے ہو جاؤ اور اپنے بھائی نجاشی کی نماز جنازہ پڑھو اس پر بعض لوگوں نے (بعض احادیث میں صراحت ہے کہ یہ لوگ منافق تھے) کہا کہ آپ ﷺ ہمیں ایک حبشی کافر کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھنے کا حکم کیوں دے رہے ہیں اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی (عام کتب تفسیر میں یہ حدیث متعدد اسانید صحیحہ سے مروی ہے نیز ملاحظہ ہو اصابہ ترجمہ اصحمتہ ج ۱ ص ۱۰۹، در منثور ج ۱ ص ۱۱۳ تفسیر ابن جریر مع تعلیقات علامہ شاکر ج ۷ ص ۲۹۶،

(۵۰)

۴۹۷، تفسیر قرطبی ج ۲ ص ۸۱، ۸۲ آیت مذکورہ)

مذکورہ بالا احادیث صحیحہ سے صاف ظاہر ہے کہ منافقوں تک کو غائبانہ نماز جنازہ کے جائز اور مشروع ہونے پر کوئی اعتراض نہیں تھا انہیں اعتراض یہ تھا کہ کج فہمی کی بنا پر یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ جس احمہ نجاشی کی غائبانہ نماز جنازہ رسول اللہ ﷺ خود پڑھنے جارہے ہیں اور تمام مسلمانوں کو بھی پڑھنے کا حکم دے رہے ہیں وہ مومن نہیں بلکہ کافر ہیں مگر قرآن مجید نے بتلایا کہ جس احمہ نجاشی کو تم کافر سمجھ رہے ہو وہ درحقیقت بہت اچھے مومن ہیں اس سے صاف ظاہر ہے کہ مسلمان میت کی نماز جنازہ علی الاطلاق اور علی العموم مشروع ہے اس کی لاش کا نمازیوں کے سامنے موجود و حاضر ہونا ضروری نہیں۔ نجاشی پر نماز جنازہ غائبانہ پڑھنے کا حکم دیتے وقت رسول اللہ ﷺ نے ” صلوا علی اخیکم النجاشی “ کے واضح الفاظ کے ذریعہ صراحت کر دی تھی کہ جس نجاشی کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھنے کا حکم میں تم کو دے رہا ہوں وہ تمہارے یعنی مومنوں کے بھائی ہیں ظاہر ہے کہ آپ ﷺ نے یہ بات اسلام کے اس اصول کے تحت فرمائی تھی کہ ” انما المؤمنون اخوة “ (پ ۲۶ سورۃ الحجرات: ۱) سارے کے سارے اہل ایمان باہم ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ اس سے یہ بات واضح ہے کہ نماز جنازہ پڑھنے کے لئے میت کا مومن ہونا تو شرط ہے اس کی لاش کا نمازیوں کے سامنے حاضر و موجود ہونا شرط نہیں ورنہ آپ ﷺ مدینہ منورہ سے بہت دور دوسرے ملک میں فوت ہونے والے مسلم حکمران نجاشی کی نماز جنازہ غائبانہ نہ پڑھتے نہ تمام ہی مسلمانوں کو اس کا حکم دیتے پھر آپ ﷺ کا یہ عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک بالکل درست و صحیح بھی تھا حتیٰ کہ آپ کے اس عمل پر اعتراض کرنے والے منافقوں کی تردید میں رب العالمین نے وحی نازل فرمائی اور اس فعل نبوی کو صحیح و صواب قرار دیا جس کا حاصل یہ ہوا کہ قرآن مجید نے نماز جنازہ غائبانہ کے مشروع ہونے کی تائید کر دی ہے لہذا ہر مومن پر لازم ہے کہ اللہ اور رسول کی اس بات کو مانے۔

(۵۱)

اور قبول کرے جیسا کہ تمام صحابہ نے کیا تھا اور کسی بھی صحابی نے اس کے خلاف کوئی بات نہ کی اور نہ کہی جیسا کہ حافظ ابن حزم نے اٹھلی ج ۵ ص ۳۸۱ تا ۳۸۲ اور ۳۸۳ تا ۳۸۴ میں صراحت کی ہے اور امام شافعی نے صراحت کی ہے کہ حدیث نبوی سے نماز جنازہ عائبانہ کا مشروع ہونا ثابت ہے اور اس سے انکار سنت نبویہ سے انکار ہے اور یہ انکار نص کے مقابلہ میں محض قیاس پر قائم ہے (کتاب الاموال باب الجنائز ج ۱ ص ۱۳۹)

غور کرنے کی بات ہے کہ جس قول و فعل کی تصدیق و تصحیح و تائید قرآن مجید نے کی ہو اور صحابہ میں سے کسی نے اس کے خلاف کچھ نہ کہا ہو اس سے انحراف و اعراض کی گنجائش کیوں کر نکل سکتی ہے؟ پھر ایک سے زیادہ آیات اور معنوی و تواتر والی احادیث میں نماز جنازہ کی مشروعیت کے لئے نمازیوں کے سامنے میت کے حاضر و غیر حاضر ہونے کی قید کے بغیر حکم جاری کیا گیا ہو تو نماز جنازہ کی مشروعیت کے لئے نمازیوں کے سامنے میت کی حاضری کی قید و شرط لگائی کیوں کر صحیح ہو سکتی ہے؟

ہم ایک بات یہاں عرض کر رہے ہیں کہ حافظ ابن حزم نے اگرچہ صرف یہ کہنے پر اکتفا کیا ہے کہ نماز جنازہ عائبانہ کی مشروعیت سے کسی صحابی کا اختلاف ثابت نہیں مگر ہم دیکھتے ہیں کہ کسی قابل ذکر تابعی نے بھی اس سے اختلاف نہیں کیا ہے اور اہل علم کی اصطلاح کے مطابق یہ معاملہ صحابہ و تابعین کا اجماع سکوتی کہلاتا ہے اور صحابہ و تابعین کے جس اجماع سکوتی کی تائید و تصدیق قرآنی آیت اور حدیث متواتر سے ہو رہی ہے اس سے بعد والوں کا اختلاف قطعاً غیر صحیح موقف ہے۔ اہل علم کو خصوصاً اور تمام مسلمانوں کو عموماً اس معاملہ میں غیر جانب دار ہو کر حق و صواب تک پہنچنے کے لئے سنجیدگی سے غور و فکر کرنا لازم ہے۔

شاہ حبشہ نجاشی کی نماز جنازہ عائبانہ پر بحث

یہ بات معلوم ہے کہ شاہ حبشہ نجاشی اجماع کی نماز جنازہ عائبانہ ہمارے رسول ﷺ نے پڑھی تھی اور تمام ہی صحابہ کرام کو حکم دیا تھا کہ تم بھی میری مانند ہو۔

(۵۲)

نماز جنازہ غائبانہ پڑھنا چاہیے غائبانہ نماز جنازہ مدینہ منورہ کی عید گاہ پر رسول اللہ ﷺ کی معیت و امامت میں پڑھی گئی تھی صحیح بخاری و مسلم اور متعدد کتب حدیث میں بہت سارے صحابہ کرام سے نجاشی پر پڑھی جانے والی نماز جنازہ کا واقعہ مروی ہے اور حنفیہ ابن تیمیہ نیز متعدد اہل علم کی صراحت ہے کہ صحیحین کی متفق علیہ روایت عام طور پر متواتر المعنی ہیں نیز یہ کہ متواتر المعنی ہونے کے سبب یہ احادیث قطعی اور یقینی علم کا افادہ کرتی ہیں (الفتاویٰ ابن تیمیہ ج ۱۸ ص ۵۰، ۴۰، ۳۱، ج ۱ ص ۲۵۶، ۲۵۷، منہاج الج ۲ ص ۲۵، مقدمہ اصول التفسیر من فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۳ ص ۳۵۰، ۳۵۱)۔

حدیث مذکور حضرت عمران بن حصین، ابو ہریرہ، جابر بن عبد اللہ، ابو سعید خدری، حذیفہ، جریر بن عبد اللہ، مجمع بن جاریہ، ابن عمر، انس بن مالک، ابن عباس، وحشی بن حرب وغیرہم رضی اللہ عنہم سے مروی ہے (ملاحظہ ہو تفصیل کے لئے جامع ترمذی مع تحفۃ الاحوذی، ج ۲ ص ۱۳۹، ۱۵۰، کتاب الجنازۃ للعلامة البانی ص ۸۹، ۹۱۳، ارداء الغلیل للالبانی ج ۳ ص ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، سنن دارقطنی مع تعلیق مفتی و عام کتب حدیث)۔

صحیح بخاری و مسلم میں اس حدیث کے یہ الفاظ بھی منقول ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

” مات اليوم رجل صالح فقوموا فصلوا على اخيكم اصحمة - یعنی آج ایک صالح آدمی فوت ہو گئے ہیں لہذا کھڑے ہو جاؤ اور اپنے بھائی اصحمة نجاشی کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھو“ (صحیح بخاری مع فتح الباری کتاب مناقب الانصار باب موت النجاشی حدیث نمبر ۷۷۸ ج ۳ ص ۱۹۱ صحیح مسلم و عام کتب حدیث)۔

اس فرمان نبوی سے صاف ظاہر ہے کہ مسلمانوں کا بھائی ہونے کے سبب یہ ارشاد نبوی ہوا کہ نجاشی کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی جائے اس لئے جو حضرات احکام شرعیہ میں غلط و قیاس کے قائل ہیں ان کے اصول سے کسی بھی فوت شدہ میت پر

(۵۳)

نماز جنازہ کے مشروع ہونے کی علت اسلامی اخوت قرار پانی ضروری ہے کیونکہ اس کے علاوہ جو علت بھی اس حکم شرعی کی قرار دی جائے گی وہ غلط ہی غلط ہوگی اور اسے اس حکم شرعی کی وجہ و علت نہیں قرار دیا جاسکے گا اور صحیح ترین بات یہ ہے کہ اہل اسلام کو نصوص شرعیہ کا پیر و پابند قرار دیا گیا ہے علل و قیاس کا نہیں البتہ جو علل و قیاس مخصوص ہوں وہ قابل اتباع ہیں مگر انہیں معنوی طور پر علل و قیاس نہیں کہا جاسکتا مثلاً فرمان نبوی ہے کہ " کل مسکر خمر " یا " کل مسکر حرام " ہر نشہ آور چیز شراب اور حرام ہے۔ اس فرمان نبوی میں نشہ کو کسی بھی چیز کی حرمت کی علت قرار دیا گیا ہے مگر اسے قائلین قیاس و علل والی اصطلاح علت نہیں کہا جاسکتا بلکہ یہ بذات خود ایک نص صریح ہے کہ جس چیز میں بھی نشہ ہو وہ شراب اور حرام ہے۔ بعض لوگ جو اس حدیث پر عمل نہیں کرتے وہ بطور سخن سازی کہہ دیا کرتے ہیں کہ نجاشی کی میت بطور معجزہ نبی ﷺ کے سامنے کر دی گئی تھی اس لئے یہ نماز غائبانہ نہیں بلکہ حاضرانہ تھی اس طرح کی بات عام کتب احناف نصب الراية وجوہ التعمی وغیرہ میں مرقوم ہے حالانکہ اولاً کسی بھی معتبر حدیث میں منقول نہیں کہ نجاشی کی میت بطور معجزہ آپ ﷺ کے سامنے کر دی گئی تھی یا آپ ﷺ کے سامنے سے نجاشی کی میت کے درمیان والے سارے حجاب اٹھائے گئے تھے پھر بالفرض یہ بات اگر کسی معتبر روایت میں منقول ہو تو اسے نجاشی پر پڑھنی جانے والی نماز جنازہ غائبانہ کی ایسی علت قرار دینا کہ اس کے بغیر نماز جنازہ غائبانہ پڑھنی ہی نہیں جاسکتی اصول شریعت کے خلاف ہے۔ کسی بھی نص شرعی میں اس تعلیل کو نجاشی پر پڑھنی جانے والی نماز جنازہ غائبانہ کی وجہ و علت بیان کر کے نہیں کہا گیا ہے کہ میت اگر نمازیوں کے سامنے نہ ہو تو اس کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھنی مشروع نہیں ہے۔ البتہ کتاب وسنت کے عام نصوص میں فعل و قول نبوی کے اتباع کا حکم قطعی بڑی کثرت و تاکید کے ساتھ دیا گیا ہے جس کا مفاد یہ ہے کہ جو کام خود ہمارے نبی ﷺ نے کیا اور جس کے کرنے کا حکم بھی دیا وہ

(۵۳)

ہمارے لئے بھی واجب انا بیاع اور مشروع ہے اور یہ میں نے اپنی موافقہ ہے کہ ہمارے رسول ﷺ نے نجاشی کی نماز جنازہ بذات خود پڑھی اور صحابہ کو پڑھنے کا حکم بھی دیا اور کسی بھی فرمان نبوی بلکہ قول صحابی میں اس کا ذکر اشارہ و کنایہ نہیں ملتا کہ یہ نماز جنازہ غائبانہ صرف نجاشی ہی کے لئے خاص تھی بلکہ دعویٰ تخصیص کی تردید میں کچھ اہل لوہٹ موجود ہیں جن کا ذکر آگے آ رہا ہے نجاشی کی بابت تو اس کی کوئی صراحت نہیں کہ موصوف کی میت بطور معجزہ ہمارے رسول ﷺ کے سامنے کر دی گئی تھی یا کشف حجاب کر دیا گیا تھا مگر سورج گرہن والی نماز (نماز کسوف) کے سلسلے میں معنوی توازن والی حدیث مروی و منقول ہے کہ اس نماز کے وقت جنت و جہنم کو ہمارے رسول ﷺ کے سامنے بطور معجزہ کر دیا گیا تھا یہ احادیث صحیحین اور عام کتب حدیث کے ابواب الکسوف میں منقول ہیں اس کے باوجود کسی ایک بھی فقیہ نے دعویٰ نہیں کیا کہ گرہن والی نماز آپ ﷺ نے صرف اس لئے پڑھی تھی کہ بطور معجزہ اس وقت جنت و جہنم کو آپ ﷺ کے سامنے کر دیا گیا تھا لہذا بعد والوں کے لئے یہ نماز مشروع نہیں ہے بلکہ یہ نماز آپ ﷺ کے لئے خاص تھی۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ حیات نبوی میں سورج و چاند میں یقیناً متعدد بار گرہن لگا ہو گا مگر بہت سارے اہل علم کا کہنا ہے کہ آپ ﷺ نے صرف ایک بار اپنے صاحب زادہ ابراہیم کی وفات کے موقع پر نماز کسوف پڑھی تھی ان امور کے باوجود اس نماز کو یہی لوگ خاص نہیں قرار دیتے کہ بطور معجزہ آپ ﷺ کے سامنے جنت و جہنم کو کر دیا گیا تھا مگر نجاشی پر پڑھی جانے والی نماز جنازہ غائبانہ کونہ جانے کیوں خاص کہتے پھرتے ہیں جب کہ تخصیص کے خلاف دلائل شرعیہ قائم اور وارو ہیں اور تخصیص پر کوئی بھی دلیل نہیں ہے واقعہ (محمد بن عمر اسلمی) نے بلا سند ایک روایت یہ نقل کی ہے کہ:

” کشف للنبی صلی اللہ علیہ وسلم عن سورہ النجاشی حتی راہ
وصلی علیہ “ یعنی نبی ﷺ کے لئے نجاشی کی چارپائی یا تخت کو کشف کر دیا گیا تھا مگر

سورج گرہن والی نماز کے سلسلے میں معنوی توازن والی حدیث موجود ہے کہ اس نماز کے وقت جنت و جہنم کو ہمارے رسول ﷺ کے سامنے کر دیا گیا تھا لہذا بعد والوں کے لئے یہ مشروع نہیں بلکہ یہ نماز آپ ﷺ کے لئے خاص تھی سب سے بڑی بات یہ ہے کہ حیات نبوی میں سورج و چاند میں یقیناً متعدد بار گرہن لگا ہو گا مگر بہت سارے اہل علم کا کہنا ہے کہ آپ ﷺ نے صرف ایک بار اپنے صاحب زادے امیر الیم کی وفات پر نماز کسوف پڑھی تھی ان امور کے باوجود بھی لوگ خاص نہیں قرار دیتے کہ بطور معجزہ آپ ﷺ کے سامنے جنت و جہنم کو کر دیا گیا تھا لہذا بعد والوں کے لئے یہ مشروع نہیں مگر لجاوٹی پر پڑھی جانے والی نماز جنازہ غائبانہ کونہ جانے کیوں خاص کہتے پھرتے ہیں جبکہ تخصیص کے خلاف دلائل شرعیہ قائم ہیں اور تخصیص پر کوئی بھی دلیل نہیں۔ واقعہ (محمد بن عمر اسلمی نے بلا سند ایک روایت یہ نقل کی ہے کہ: آپ ﷺ نے اسے دیکھ لیا اور نماز پڑھی) (فتح الباری کتاب الجنائز ج ۳ ص ۱۸۸)

یہ معلوم ہے کہ واقعی وضاع و کذاب راوی ہے اور اس کا کذاب وضاع ہونا بہت معروف و مشہور بات ہے۔ یہ اگر سند کے ساتھ کوئی روایت نقل کرے تو وہ بھی کسی کام کی نہیں چہ جائیکہ بلا سند اس کی ذکر کردہ کسی روایت کو کیونکر دلیل بنایا جا سکتا ہے؟

ترجمہ محمد بن عمر واقعی

اہل علم کو واقعی کا بہت زیادہ مجروح و ساقط الاعتبار ہونا معلوم ہے پھر بھی ہم ناظرین کرام کے سامنے موصوف کی بات ائمہ جرح و تعدیل کی باتیں مختصر بیان کر دینی چاہتے ہیں تاکہ معاملہ واضح رہے۔

واقعی کا بہت بڑا صاحب علم خصوصاً علوم مغازی و سیر میں ماہر ہونا مسلم و معروف ہے۔ مگر امام شافعی نے بالصراحت کہا کہ:

”الکذابون المعروفون بالكذب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اربعة الواقدي الخ“ یعنی رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ و افترا کرنے والے معروف و مشہور کذابین چار ہیں جن میں سے ایک واقدی بھی ہے (تہذیب التہذیب ترجمہ واقدی ج ۹ ص ۳۲۵)

امام احمد نے اسے بار بار کذاب قرار دیا ہے۔ امام بخاری کے استاذ خاص امام ابن المدینی نے بھی واقدی کو کذاب اور وضاع کہا۔ امام بغداد ”محمد بن بشار نے کہا کہ: ”ما رأيت اكذب منه“ یعنی واقدی سے بڑا کذاب میں نے نہیں دیکھا (تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۳۲۶)

امام ابو حاتم رازی نے بھی موصوف کو وضاع و کذاب کہا امام ابن المبارک اور متعدد اہل علم نے اسے متروک کہا۔ امام ابو داؤد نے کہا کہ: ”لا اكتب حديثه ولا احدث عنه ما اشك انه كان يفتعل الحديث ليس ننظر للواقدي في كتاب الا تبين امره وروى في فتح المبين وخبر العنسي احاديث عن الزهري ليست من حديثه“ یعنی میں موصوف کی حدیث نہ™ کار و ادار ہوں نہ موصوف سے روایت کرنے کا ر و ادار ہوں مجھے اس میں شک نہیں کہ موصوف واقدی احادیث وضع کرتا تھا واقدی کی جو کتاب بھی ہم دیکھتے ہیں اس سے موصوف کا معاملہ ظاہر ہو جاتا ہے یعنی کہ موصوف کذاب اور وضاع ہے اس نے امام زہری کے حوالہ سے فتح المبین اور اسود عنسی کے بارے میں ایسی روایات بیان کی ہیں جو زہری کی بیان کردہ احادیث نہیں ہیں (تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۳۲۶)

اسے امام اسحاق بن راہویہ نے بھی وضاع و کذاب کہا اور ابن معین و جوہر قالی و دار قطنی و ابن حبان و ابن ابی حاتم وغیرہ نے بھی سخت کلام کیا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ موصوف کی جن اہل علم نے تعریف و توصیف کی ہے وہ موصوف کے علم میں ماہر ہونے کی بنا پر کی ہے مگر علم میں ماہر ہونا دوسری بات ہے اور روایت میں ثقہ و معتبر ہونا دوسری بات ہے۔

دریں صورت اگر واقعی موصوف نے اپنی بے سند ذکر کردہ اس روایت کی کوئی سند بھی بیان کی ہوتی تو وہ روایت ناقابل اعتبار اور کالعدم ہوتی چہ جائیکہ موصوف نے کوئی سند اس روایت کی نہیں بیان کی ہے۔

اہل علم پر ضروری ہے کہ وہ صرف معتبر روایات پر اعتماد کریں۔ نیز ہم غرض کر چکے ہیں کہ بالفرض کشف والی یہ مکذوبہ بات صحیح بھی ہو تو اس کا یہ سبب ہرگز نہیں کہ نماز جنازہ کے جواز کے لئے نمازی کے سامنے میت کا ہونا لازم ہے۔ آج کے ترقی یافتہ دور میں ٹی، وی کے ذریعہ اگر انتہائے مشرق کے کسی میت کو انتہائے مغرب میں رہنے والے نمازیوں کے بالکل سامنے دکھلایا جائے اور اسے ٹی، وی پر دیکھ کر لوگ اسکی نماز جنازہ پڑھیں تو نجاشی پر پڑھی جانے والی غائبانہ نماز جنازہ کے سلسلے میں کشف والی بات کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے؟

روایت عمران بن حصین کا تذکرہ

اس سلسلے میں بعض لوگوں نے یہ روایت نقل کی ہے کہ :

”قال عمران بن حصین فقام وصفوا اخلفه وهم لا يظنون الا ان جنازته بين يديه رواه ابن حبان وزواه ابو عوانة بلفظ ”ونحن لا نرى الا ان جنازته قدامنا“ یعنی عمران بن حصین نے کہا کہ جب رسول اللہ ﷺ نجاشی کی نماز جنازہ پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے اور آپ ﷺ کے حکم کے مطابق ہم نے بھی آپ ﷺ کے پیچھے نماز جنازہ پڑھنے کے لئے صف بندی کی تو روایت ابن حبان کے مطابق لوگوں کو یہ گمان ہوتا تھا کہ جنازہ نجاشی نبی ﷺ کے سامنے ہی ہے اور روایت ابو عوانہ کے مطابق لوگ یہ محسوس کرتے تھے کہ جنازہ نجاشی ہمارے سامنے ہے (فتح الباری ج ۳ ص ۱۸۸ نیز مسند احمد ج ۴ ص ۴۶۶ و ارواء الغلیل ج ۳ ص ۱۷۶) ہم کہتے ہیں کہ محض گمان اور احساس سے اور وہ بھی غیر نبی کے گمان و احساس سے شریعت کا کوئی مسئلہ کو نکرتا ثابت ہو سکتا ہے جب کہ اگر فی الواقع بطور معجزہ و کشف

جنازہ نماز پر نجاشی آپ ﷺ کے ساتھ یا صحابہ کے ساتھ کر دیا گیا ہو تو بھی نماز جنازہ غائبانہ کی مشروعیت کی نفی نہیں ہوتی ورنہ اس طرح کی تعلیل وحیلہ سازی کرنے والوں کو یہ فتویٰ دینا ہوتا کہ اگر بن کے وقت جب تک نمازیوں کے سامنے جنت و جہنم نہ پیش کر دی جائے تب تک گھر بن والی نماز نہیں پڑھی جاسکتی۔

اس طرح جو لوگ یہ کہا کرتے ہیں کہ پوری زندگی میں آپ ﷺ کا صرف ایک بار نجاشی پر نماز جنازہ غائبانہ پڑھنا ثابت ہے حالانکہ مدینہ سے باہر یقیناً بہت سے مسلمانوں کی موت عید نبوی میں ہوتی ہوگی مگر اس کا کوئی ذکر نہیں کہ آپ ﷺ نے وہی ایک بار نجاشی پر غائبانہ نماز جنازہ کے علاوہ بھی کسی کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی ہو آپ لوگوں کو یہ بات ملحوظ رکھنی چاہئے کہ سورج گھر بن کی نماز (صلوٰۃ الکسوف) کا ایک سے زیادہ مرتبہ آپ ﷺ کا پڑھنا ثابت نہیں ہے اسی طرح نماز استسکا کا معاملہ بھی ہے۔ اگر کہا جائے کہ سورج گھر بن و چاند گھر بن ہونے پر آپ ﷺ نے نماز پڑھنے کا حکم اپنی امت کو دیا ہو تو نجاشی پر نماز جنازہ کا حکم دیتے ہوئے آپ ﷺ کا جو یہ فرمایا متواتر المعنی حدیث سے ثابت ہے کہ:

”صلوا علی اخیکم مات بارض غیریکم“ یعنی اپنے بھائی کی نماز جنازہ پڑھو جن کی موت تمہارے ملک سے باہر دوسرے ملک میں ہوئی ہے۔“

تو اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ غائبانہ نماز جنازہ کی مشروعیت بیان کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنے اس بھائی کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھو جو تمہاری سر زمین مدینہ منورہ سے دور دوسری جگہ فوت ہوئے جس کا لازمی مطلب ہے کہ ہمارا جو بھائی ہماری سکونت گاہ سے دور دوسری جگہ فوت ہوا ہو اس کی نماز جنازہ غائبانہ اس لئے مسلمانوں کو پڑھنی مشروع ہے کہ وہ ہمارا بھائی ہے اور ہماری سکونت گاہ سے دور دوسری جگہ ہونے کی جس علت کی بنا پر آپ ﷺ نے نماز جنازہ غائبانہ نجاشی کے لئے پڑھی وہی علت ہر غائبانہ نماز جنازہ کے لئے پائی جاتی ہے کہ وہ مسلمان جس کی نماز

غائبانہ پڑھنی ہے وہ ہم سے دور فوت ہوا اور بد فون بھی اور وہ ہمارا مسلمان بھائی ہے۔ اس بات کو ملحوظ رکھا جائے تو اس مسئلہ میں مانعین غائبانہ نماز جنازہ کے پیش کردہ اشکالات دور ہو جائیں گے اور ان میں کوئی وزن اور زور نہیں محسوس ہو گا اور یہی بات حافظ ابن حزم نے اپنی کتاب المکلی میں کہی ہے۔ یہ ہماری اختراع کردہ بات نہیں ہے بلکہ ہم اس معاملہ میں سابق محدثین کے طریق پر ہیں۔ اللہ ہم کو تمام امور و معاملات میں نصوص شرعیہ کتاب و سنت اور طریق سلف صالحین کا پیرو بنائے۔ آمین۔

پھر اگر بعض صحابہ سے یہ مروی ہے کہ ہمیں یہ احساس یا گمان ہوتا تھا کہ نجاشی کی نماز جنازہ پڑھتے وقت نجاشی کی میت نبی ﷺ کے سامنے یا ہمارے سامنے ہے تو دوسری طرف حضرت مجمع بن جاریہ سے مروی ہے کہ جس وقت ہم نجاشی کی نماز جنازہ پڑھ رہے تھے اس وقت ہمارے سامنے لاشہ نجاشی کے ہونے کا کوئی بھی گمان نہیں تھا (رواہ الطبرانی بسند صحیح)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کا احساس و گمان ایک اعتباری چیز ہے اور کسی چیز کا احساس و گمان اس امر کو مستلزم نہیں کہ معاملہ بھی فی الواقع اس احساس و گمان کے مطابق ہی ہے۔ آخر صحابہ میں سے کچھ لوگوں کا گمان یہ بھی تھا کہ لاشہ نجاشی کیا معنی کوئی بھی چیز نمازیوں کے سامنے نہیں تھی۔

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ نجاشی کے علاوہ کسی کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھنے کا ثبوت نہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ نماز جنازہ نجاشی کے لئے خاص تھی ورنہ دوسروں کے لئے بھی اس کا ثبوت ہوتا۔ (عام کتب احناف)

ہم کہتے ہیں کہ نصوص قرآن و حدیث میں سے کسی میں یہ صراحت نہیں ہے کہ جو کام ہمارے رسول ﷺ نے صرف ایک ہی بار کیا ہو اور دوسروں کو کرنے کا حکم دیا ہو اور دوسری بار اس کے کرنے کا ثبوت نہ ہو یا یہ نہ ثابت ہو کہ دوسری بار آپ ﷺ نے لوگوں کو اسے کرنے کا حکم دیا ہے وہ کام شریعت میں ممنوع و غیر مشروع ہے

(۶۰)

اور وہ کام صرف ایک ہی مرتبہ کے لئے مخصوص و محصور ہو گیا البتہ اگر کسی معاملہ میں تخصیص کا ثبوت نصوص کتاب و سنت میں ہو تو اسے ماننا بہر حال ضروری ہے مگر نجاشی کے معاملہ میں تخصیص کا کوئی ثبوت نہیں اور نصوص قرآن و سنت میں مطلقاً قید و شرط اتباع نبوی کا حکم دیا گیا ہے پھر اپنی طرف سے شرط و قید کیونکر لگائی جاسکتی ہے؟ علاوہ ازیں نجاشی کے ساتھ نماز جنازہ غائبانہ کی تخصیص کا دعویٰ بھی محل نظر اور غلط ہے نیز نجاشی کی موت ۹ھ میں اواخر حیات نبوی میں واقع ہوئی ہے (عام کتب توارخ و سیر) اور اواخر عمر میں آپ ﷺ کے انجام دئے ہوئے کام یا جاری کردہ حکم کی شریعت میں خاصی اہمیت ہے اور یہ بات اہل علم کے درمیان معلوم و معزوف بھی ہے۔

معاویہ لیشی یا مرنی صحابی پر رسول اللہ علیہ السلام نے غائبانہ نماز جنازہ پڑھی

جس سال نجاشی کی نماز جنازہ غائبانہ رسول اللہ ﷺ نے خود پڑھی اور تمام صحابہ کو پڑھنے کا حکم دیا اسی سال غزوہ تبوک کا واقعہ پیش آیا ہے اور آپ ﷺ جب اس سفر میں گئے ہوئے تھے تو مدینہ منورہ میں ایک صحابی معاویہ بن معاویہ لیشی یا مرنی کا انتقال ہو گیا تھا موصوف معاویہ کی خبر مرگ آپ ﷺ کو حضرت جبریل نے سفر تبوک میں دی اور آپ ﷺ نے اسی سفر میں موصوف معاویہ کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔

معاویہ موصوف پر غائبانہ نماز جنازہ پڑھی جانے سے متعلق مذکورہ بالا حدیث کی بابت حافظ ابن حجر کا فیصلہ یہ ہے کہ:

”ان خبره قوى بالنظر الى مجموع طرقه“ یعنی یہ حدیث اپنے متعدد طرق و اسانید کے مجموعہ کے اعتبار سے قوی ہے “ (فتح الباری کتاب الجنائز مطبوعہ سلفیہ ج ۳ ص ۱۸۸)

یہی بات حافظ ابن حجر نے اپنی دوسری کتاب لسان المیزان ترجمہ محبوب بن ہلال میں کہی ہے (ملاحظہ ہو لسان المیزان ج ۵ ص ۱۸)

حافظ ابن حجر کی طرح ان کے استاذ امام بیہقی کے نزدیک اس حدیث کی ایک سند میں بقیہ بن الولید کی علت تدلیس کے علاوہ کوئی دوسری علت نہیں ہے (مجمع الزوائد ج ۳ ص ۸۲) صاحب عون المعبود نے کہا کہ بقیہ بن الولید کی علت تدلیس دوسری سند کے ساتھ مزوی شدہ ایک اور روایت کے ذریعہ دور ہو گئی ہے کیونکہ اس سند کے مطابق بقیہ بن الولید نے تحدیث کی صراحت کر دی ہے (عون المعبود شرح سنن ابی داؤد کتاب الجنازہ بحوالہ ابوالاحمد حاکم واصابہ فی تمیز الصحابہ لابن حجر و میزان الاعتدال و لسان المیزان ترجمہ نوح بن عمرو السکسکی)

صاحب عون المعبود نے اس حدیث کو مجموعی اعتبار سے معتبر و قوی قرار دیا ہے۔ ہم اپنے طور پر اس سلسلے میں بحث و تمحیص اور تحقیق کے ذریعہ معاملہ کو واضح کرنا چاہتے ہیں۔

معاویہ لیشی پر غائبانہ نماز جنازہ سے متعلق روایت نوح بن عمرو

حافظ ذہبی نے کہا کہ: ”أخبرنا محمد بن عبد السلام الحلبي وأحمد بن تاج الأمان سماعاً من زينب الشعرية أن زاهر بن طاهر أخبرنا قال أخبرنا محمد بن عبد الرحمن سنة إحدى وخمسين وأربعمئة أخبرنا أبو الحسن أحمد بن عمير بن جوصا حدثنا نوح بن عمرو بن حوى قال حدثنا بقیة حدثنا محمد بن زياد عن أبي إمامة قال أتى رسول الله صلى الله عليه وسلم جبرئيل وهو بتبوك فقال يا محمد اشهد جنازة معاوية بن معاوية المزنى فخرج رسول الله صلى الله عليه وسلم في أصحابه و نزل جبرئيل في سبعين الفا من الملائكة فوضع جناحه اليمين على الحبال فتواصف ووضع جناحه اليسر

(۶۲)

على الارضين فتواصف حتى نظرونا الى مكة والمدينة ف صلى عليه رسول الله
عليه وسلم وجبرئيل والملائكة فلما فرغ قال يا جبرئيل بما بلغ معاوية هذه
المنزلة قال بقرآن قل هو الله احد قائما وقاعدا وراكبا وما شيا " (ميزان
الاعتدال ترجمة نوح بن عمرو السككي ج ۳ ص ۲۷۸ ولسان الميزان ج ۶ ص
۳۷۱ مترجم نوح بن عمرو، عون المعبود (كتاب الجہانم بحوالہ ابو احمد حاکم واصابہ وغیرہ)
اس روایت کا حاصل معنی یہ ہے کہ سفر تبوک کے موقع پر حضرت جبرئیل
کی خبر لاورد درخواست پر مدینہ منورہ میں فوت ہونے والے معاویہ صحابی کی غائبانہ نماز
جہاد ہمارے رسول ﷺ نے صحابہ و ملائکہ کے ساتھ پڑھی۔

اس حدیث کے ناقل صحابی حضرت ابوالامام صدیقی بن عجلان باہلی متوفی ۸۶
ھ سے اسے روایت کرنے والے تھے محمد بن زیاد (البہانی حمسی ابوسفیان اوساط تابعین
میں سے ثقہ و صدوق راوی ہیں موصوف البہانی صحیح بخاری کے صحیح رواۃ میں سے ہیں
(عام کتب رجال ترجمہ محمد بن زیاد البہانی) اور محمد بن زیاد البہانی سے اس کے ناقل بقیہ
بن الولید ابوالحمید کلاعی متوفی ۱۹۷ھ مشہور و معروف ثقہ رواۃ میں سے ہیں البتہ
موصوف بقیہ ثقہ ہونے کے باوصف مدلس تھے جن کی بلا تحدیث معتمد روایت غیر
معتبر ہوتی ہے مگر مذکورہ بالا سند کے مطابق موصوف بقیہ نے اس حدیث کی نقل
میں تصریح تحدیث کر دی ہے لہذا اس پر کوئی کلام نہیں۔ بقیہ صحیح مسلم کے رواۃ
میں سے ہیں امام بخاری نے بھی تعلیقات صحیح بخاری میں ان سے روایت کی ہے۔
موصوف بقیہ قرن حدیث کی بعض کتابوں کے مصنف تھے اور یہ ممکن ہے کہ
موصوف کی کتاب ہی میں حدیث مذکور منقول ہو مگر چونکہ موصوف کی کتابوں تک
ہماری رسائی نہیں اس لئے ہم ان کی کسی کتاب میں حدیث مذکور کی موجودگی کا
دعویٰ نہیں کر سکتے۔ بقیہ موصوف سے اس روایت کے ناقل مندرجہ بالا سند کے
مطابق نوح بن عمرو بن نوح سکسکی شامی ہیں۔

(۶۳)

حافظ ابن حبان کے ذکر کردہ ترجمہ العلماء بن محمد ثقفی کے ایک مبہم بیان کا مطلب بعض لوگوں نے غلط فہمی کی بنا پر یہ سمجھ لیا کہ موصوف حافظ ابن حبان نے نوح سلسکی کو اس حدیث کا سرقہ کرنے والا کہا ہے مگر اس غلط فہمی کے شکار ان بعض لوگوں نے صیغہ "تمر یعنی" بقال انه سرق هذا الحديث "کہہ کر اپنی بات کے ضعیف و غیر معتبر ہونے کی طرف اشارہ کر دیا ہے (میزان و لسان المیزان ترجمہ نوح سلسکی) بہر حال موصوف نوح پر اس حدیث کے سرقہ کا الزام بے دلیل ہونے کی بنا پر موقوف الاعتبار ہے۔ نیز موصوف نوح سلسکی بقیہ سے اس کی نقل میں منفرد نہیں ہیں جیسا کہ حافظ ابن حجر نے صراحت کی ہے کہ "قد رواه جماعة من غير هذا الوجه وقد اشرت اليه في ترجمة محبوب بن حلال" (لسان المیزان ترجمہ نوح سلسکی ج ۶ ص ۱۷۶) اس کے باوصف ہم کو موصوف نوح سلسکی کی توثیق کی صراحت کسی امام فن سے نہیں مل سکی مگر موصوف حافظ ابن حبان اور ان جیسے لوگوں کے اصول کے مطابق ثقہ ہیں کیونکہ ان کا اصول یہ ہے کہ جس راوی پر جرح قاطع نہ ثابت ہو اور اس سے ایک یا دو ثقہ روایت حدیث کرتے ہوں وہ ثقہ ہے (مقدمہ ثقات ابن حبان و مقدمہ لسان المیزان للحافظ ابن حجر و عام کتب مصطلح حدیث) امام ابو حنیفہ کا اصول یہ ہے کہ ہر راوی عاقل و ثقہ ہے جب تک کہ اس کا مجروح ہونا ثابت نہ ہو جائے۔

حافظ ابن جو صا کا تعارف

اس اصل کو پیش نظر رکھتے تو نوح سلسکی سے روایت کرنے والوں میں ایک زیر نظر حدیث کے راوی ابوالحسن احمد بن عمیر بن یوسف بن موسی بن جو صا شامی دمشق مولود ۲۳۰ھ ہیں۔ انہیں حافظ ذہبی نے "الامام الحافظ الاوحد محدث الشام" کہا ہے (میر اعلام النبلاء ج ۱۵ ص ۱۵) ابو علی حائظ نے کہا "کان رکناً من ارکان الحديث واماماً من ائمة المسلمين قد جاوز القنطرة" (میزان الاعتدال و لسان المیزان ترجمہ ابن جو صا) حافظ ابو علی کی اس بات کا واضح مطلب ہے کہ موصوف نے

(۶۴)

ابن جوصا کی توثیق کی ہے اور اشارہ کیا ہے کہ ان پر وارو ہونے والی جرح مرفوعہ وکالعدم ہے ” قد جاوز القنطرة “ کا یہی مطلب ہے۔ امام طبرانی نے کہا ” ابن جوصا من ثقات المسلمين “ (تاریخ ابن عساکر ج ۲ ص ۲۸) امام ذہبی نے موصوف پر ہونے والی جرح کو کالعدم مانا ہے (سیر اعلام النبلاء ج ۱۵ ص ۱۵ تا ۲۳) تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۹۵ تا ۹۸ و میزان الاعتدال ج ۱ ص ۱۲۵) اسی طرح حافظ ابن حجر نے بھی (لسان المیزان ترجمہ ابن جوصا) پھر موصوف پر ہونے والی جرح مبہم بھی ہے امام دارقطنی نے ”لیس بالقوی“ کہا اسی طرح حمزہ بن یوسف نے بھی جرح کی مگر ثابت شدہ توثیق کے بالمقابل تخریج مبہم غیر موثر و کالعدم ہوا کرتی ہے۔

ابن جوصا موصوف ابن جوصا کئی کتابوں کے مصنف بھی ہیں (تاریخ دمشق لابن عساکر ج ۲ ص ۲۶ و عام کتب تراجم) اس لئے امید غالب ہے کہ موصوف ابن جوصا کی کسی کتاب حدیث میں یہ روایت موجود و منقول ہے۔

روایت طبرانی کا تذکرہ

حافظ ابن جوصا کے علاوہ نوح نسکسکی سے اس حدیث کے ناقل حافظ علی بن سعید رازی ہیں جیسا کہ امام طبرانی نے کہا کہ:

”حدثنا علي بن سعيد الرازي ثنا نوح بن عمرو السكسكي ثنا بقية بن الوليد عن محمد بن زياد الالهاني عن ابي امامة قال كنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم بتبوك فنزل عليه جبرئيل فقال يا رسول الله ان معاوية مات بالمدينة الحديث“ یعنی ابو امامہ صدیق بن عجلان باہلی نے کہا کہ ہم لوگ تبوک میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے کہ آپ ﷺ پر حضرت جبرئیل کا نزول ہوا اور جبرئیل نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ معاویہ بن معاویہ مرنے بدینہ منورہ میں فوت ہو گئے کیا آپ ﷺ پسند کرتے ہیں کہ میں آپ کے لئے زمین سمیٹ دوں اور آپ ﷺ انکی نماز جنازہ پڑھیں؟ آپ ﷺ نے ان کی نماز جنازہ

(۶۵)

پڑھائی (مجموع کبیر للطبرانی حدیث نمبر ۸۵۳۸ ج ۸ ص ۶۱۳۱۳۶ و مجموع اوسط للطبرانی نمبر ۱۱۳ و مسند الشامیین للطبرانی ج ۲ ص ۱۲، ۱۳ حدیث نمبر ۸۳۱ لسان المیزان ترجمہ نوح بن عمرو السکسکی ج ۶ ص ۱۷۴، ۱۷۵، اسباب فی معرفۃ الصحابہ ترجمہ معاویہ بن معاویہ لیشی، نصب الراية ج ۲ ص ۲۸۳، ۲۸۴ و مجمع الزوائد ج ۳ ص ۸۳۸ وغیرہ) روایت مذکورہ کو شیخ زیلیعی نے تخریج احادیث حدیثہ نصب الراية میں اپنے حنفی مذہب کی تائید میں بطور دلیل نقل کیا اور اس پر کسی قسم کا کوئی کلام نہیں کیا اور نصب الراية پر حاشیہ چڑھانے والے حنفی حضرات نے اس روایت کی تصحیح کی طرف میان ظاہر کرتے ہوئے مجمع الزوائد سے یہ عبارت نقل کی کہ:

”وفیه نوح بن عمرو قال ابن حبان یقال انه سرق هذا الحديث قلت لیس هذا الضعف فی الحديث وفیه بقیة وهو مدلس و لیس فیہ علة غیر هذا“ یعنی اس روایت کی سند میں نوح بن عمرو نامی راوی واقع ہیں جن کی بابت ابن حبان نے بصیغہ ”یقال“ کہا کہ موصوف نے یہ حدیث سرقہ کر لی مگر میں کہتا ہوں کہ یہ چیز حدیث کے لئے باعث ضعف نہیں البتہ اس کی سند میں بقیہ بن الولید مدلس ہیں اور انہوں نے اسے بیان کرنے میں تدلیس سے کام لیا ہے بس صرف یہی تدلیس ہی اس حدیث کی سند میں ایک علت ہے (حاشیہ نصب الراية ج ۲ ص ۲۸۳) ہم کہتے ہیں کہ طبرانی کی مسند شامیین میں علی بن سعید والی روایت میں بھی بقیہ نے تصریح تحدیث کر دی نیز استیعاب لابن عبد البر میں بھی اس کی تصریح تحدیث ہے لہذا ہم کہتے ہیں کہ اس بات پر اجماع ہے کہ اگر دوسری سند میں تدلیس کے بجائے تصریح تحدیث موجود ہو تو علت تدلیس ختم ہو جاتی ہے اور نوح بن عمرو کے ترجمہ میں حافظ ابن حجر نے بعض ایسی روایت نقل کی ہیں جن میں بقیہ نے تحدیث کی صراحت کر دی ہے (لسان المیزان ج ۶ ص ۱۷۴، ۱۷۵ ترجمہ نوح بن عمرو و عون المعبود کتاب الجنائز) اس لئے علت مذکورہ کالعدم ہے جیسا کہ تفصیل گذر چکی ہے۔

(۶۶)

نوح کی بابت حافظ ابن حبان کی طرف حدیث مذکورہ کا سرقہ کرنے کی جو تخریج منسوب کی گئی ہے وہ محض شبہ اور وہم کی بات ہے کیونکہ حافظ ابن حبان نے اپنی کتاب المجروحین میں نوح کا ذکر نہیں کیا ہے بلکہ علاء بن محمد ثقفی نامی راوی کے ترجمہ میں حافظ ابن حبان نے صراحت یہ کیا ہے کہ :

” قد سرق هذا الحديث شيخ من اهل الشام فرواه عن بقية عن محمد بن زياد عن ابي امامة بطوله “ یعنی معاویہ پر نماز جنازہ عاتبانہ پڑھنے سے متعلق جو روایت علاء بن محمد ثقفی جیسے غیر ثقہ ساقط الاعتبار راوی نے بیان کی ہے اسے شام کے ایک شیخ نے سرقہ کر کے بقیہ عن محمد بن زياد عن ابي امامة کی سند سے بیان کر دیا ہے (المجروحین ترجمہ علاء بن محمد ج ۲ ص ۱۸۱)

حالانکہ حافظ ابن حبان نے بقیہ بن الولید سے اس حدیث کے سرقہ کرنے والے شامی راوی کا نام نہیں لیا ہے بلکہ محض قیاس و ظن اور شبہ کی بنا پر اس شامی راوی کا نام بعض افراد نے نوح بن عمرو بتلایا ہے اور قیاس و ظن کی بنیاد پر کہی ہوئی اس بات کو بصیغہ ترمیم نوح کی بابت امام ابن حبان کی طرف منسوب کر کے خود اس ظنی بات کے قائل نے نوح کی بابت کلام ابن حبان کا مشکوک ہونا بلکہ ضعیف ہونا ظاہر کر دیا ہے۔ اسی بنا پر اس جرح کو حافظ ہیشمی نے ” لیس ہشٹی “ یعنی کالعدم کہا ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ حافظ ابن حبان سے موصوف کی بابت جرح مذکور ثابت نہیں (نیز ملاحظہ ہوا لمغنی للذہبی ج ۲ ص ۷۰۲)

ترجمہ علی بن سعید علیک رازی

امام ابن جوہر کے علاوہ نوح سبکی سے اس حدیث کے راوی طبرانی کے مطابق امام علی بن سعید بن بشیر علیک رازی متوفی ۲۹۹ھ ہیں۔ موصوف کو امام مسلم بن قاسم نے ” کان ثقة عالما بالحديث حدثني عنه غير واحد “ کہا (لسان المیزان ترجمہ علی بن سعید ج ۴ ص ۲۳۱) ابن یونس نے جو موصوف کی بابت یہ کہا کہ محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

(۶۷)

” نكلموا ليه “ لوگوں نے موصوف پر کلام کیا ہے وہ واضح نہیں ہے کہ موصوف ملک پر کسی قسم کا کلام کن لوگوں نے کیا ہے اور حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ جن لوگوں نے موصوف پر اس طرح کا غیر واضح کلام کیا ہے وہ صرف اس وجہ سے ہے کہ موصوف نے سرکاری عہدہ قبول کر لیا تھا۔

موصوف علیک کو لام دار قطنی نے ” پس بذلك “ کے لفظ کے ساتھ مجروح ٹھہرا مگر اس کا سبب یہ تھا کہ موصوف نے حصول خراج و ٹیکس کے لئے ایک نامناسب کارروائی کی تھی (لسان المیزان و میزان الاعتدال ذمیر اعلام النبلاء ترجمہ علی بن سعید بن بشر) لیکن اس سے روایت حدیث میں موصوف کا غیر ثقہ ہونا لازم نہیں آتا جب کہ دوسروں نے موصوف کی توثیق کر رکھی ہے۔ حافظ ابن حجر کی اصطلاح میں ایسا راوی مقبول ہے یعنی متابع ملنے پر اس کی روایت معتبر ہوتی ہے۔

الحاصل موصوف علی بن سعید بن بشر علیک رازی جرح قاذح سے محفوظ اور ثقہ راوی ہیں۔ ان دونوں کا بلکہ ان سے زیادہ کالوج سلکسی سے روایت کرنا ثابت ہے لہذا حافظ ابن حبان وغیرہ کے اصول سے موصوف سلکسی ثقہ ہوئے۔ اور حافظ ابن حجر کے اصول سے مقبول ہوئے یعنی کہ متابع ملنے پر موصوف کی روایت معتبر ہوگی۔ پھر اس حدیث کی نقل میں کالوج سلکسی مفرد نہیں ہیں جیسا کہ آنے والی تفصیل سے معلوم ہوگا۔

معاویہ پر غائبانہ نماز جنازہ سے متعلق تیسری حدیث

متعدد معتبر طرق و اسانید سے مروی ہے کہ عیسیٰ بن یسیر نے کہا کہ:

” حدثنا محبوب بن هلال المزني عن عطاء بن ابي معوية عن انس

بن مالك عن جابر بن عبد الله عن النبي صلى الله عليه وسلم وهو يهتف هلال يا

محمد مات معارفة المزني بالديانة الحديث يعني سند لا كورس معاویہ حوالی کی

گاہیات لہذا جنازہ آپ ﷺ کا پڑھا مروی ہے (تلمیح کبیر للعلامة ابن حجر ۱/۱۸۲ رد المحتار)

(۶۸)

النسوة للبیہقی ج ۵ ص ۲۳۶ و سنن بیہقی ج ۴ ص ۵۰، اسد الغابہ ج ۵ ص ۲۱۵، ۴۱۶، اصابہ ترجمہ معاویہ بن معاویہ، استیعاب لابن عبد البر ج ۳ ص ۲۲۳، ۲۲۵، نصب الراية ج ۲ ص ۲۸۳ بحوالہ ابن سعد وغیرہ، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۳۸

حضرت انس صحابی سے اس حدیث کے ناقل عطاء بن ابی میمونہ صحیحین کے راوی ہیں (عام کتب رجال) اس لئے موصوف کا ثقہ ہونا ناقابل بحث و نظر ہے البتہ محبوب بن ہلال جو عطاء موصوف سے اس روایت کے ناقل ہیں قابل بحث و نظر ہیں۔ انہیں حافظ ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو ثقات ابن حبان مطبوعہ حیدر آباد ج ۷ ص ۲۲۵ و لسان المیزان ج ۵ ص ۱۸)

محبوب کی بابت امام ابو حاتم رازی نے کہا: "یس بالمشہور" (الخرج والتعديل لابن ابی حاتم ج ۷ ص ۵۲۹) یعنی کہ موصوف محبوب مشہور راوی نہیں ہیں مگر یہ معلوم ہے کہ مشہور نہ ہونا غیر ثقہ ہونے کو مستلزم نہیں بعض نہیں بلکہ بہت سارے ثقہ رواۃ غیر مشہور ہیں۔ پھر موصوف محبوب کی روایت کردہ زیر نظر حدیث کی نقل میں محبوب منفرد نہیں بلکہ ان کے معنوی متابع و شواہد موجود ہیں جیسا کہ بعض کا ذکر ہوا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے محبوب کے ترجمہ میں اس حدیث کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ:

"لہ طرق یقوی بعضها بعضا الخ" (لسان المیزان ترجمہ محبوب) جس کا حاصل یہ ہے کہ اپنے متابع و شواہد سے مل کر حدیث مذکور قوی و معتبر ہو جاتی ہے۔ محبوب سے روایت مذکورہ کے ناقل ایک سے زیادہ ثقہ رواۃ ہیں لیکن موصوف سے اس روایت کے ناقلین میں سے جس عثمان بن عیسیٰ کا ہم نے ذکر کیا ہے وہ صحیح بخاری کے رواۃ میں سے ہیں اور عام اہل علم نے موصوف کی توثیق و تعديل کی ہے۔ موصوف محبوب اتباع تابعین میں سے ہیں اور یہ معلوم ہے کہ اس

(۶۹)

زمانہ میں بقول نبوی جھوٹ کا رواج عام نہیں ہوا تھا اور موصوف اس حدیث کی نقل میں بقیہ بن الولید کے ہم طبقہ ہیں یعنی کہ دونوں ایک دوسرے کی متابعت کر رہے ہیں۔ اور بقیہ کا ثقہ ہونا اور اس حدیث کو بصیغہ تحدیث نقل کرنا واضح کیا جا چکا ہے لہذا ایک دوسرے کی متابعت کرنے والے ان دونوں حضرات کی نقل کردہ حدیث مذکور کے معتبر ہونے میں کلام نہیں رہ جاتا۔

تنبیہ

محبوب بن ہلال کی توثیق ابن حبان نے بالصراحت نہیں کی ہے بلکہ ان کا ذکر اپنی کتاب ثقات میں کر دیا ہے اور کسی دوسرے امام جرح و تعدیل سے موصوف کی بالصراحت توثیق ہم کو نظر نہیں آئی اس لئے موصوف محبوب حافظ ابن حجر کی اصطلاح کے مطابق ”مقبول“ راوی ہوئے یعنی متابع ملنے کی صورت میں موصوف کی روایت معتبر ہوگی اور ہم عرض کر چکے ہیں کہ ان کی معنوی متابعت بقیہ بن الولید نے کر رکھی ہے لہذا یہ حدیث معتبر ہے۔

معاویہ کی غائبانہ نماز جنازہ سے متعلق ایک اور سند

امام ابو یعلیٰ موصلی نے کہا کہ :

”حدثنا محمد بن ابراهيم العبدی بعدان حدثنا عثمان بن الهيصم العبدی مؤذن مسجد الجامع بالبصرة عن محمد بن عبد الله عن عطاء بن ابي ميمونة عن انس بن مالك الخ“ (زوائد مسند ابی یعلیٰ حدیث نمبر ۳۶۸ ص ۳۵۲، ۳۱۵)

مذکورہ بالا سند کے مطابق یہ حدیث عطاء بن ابن ميمونه نے حضرت انس سے نقل کی ہے جن کا تذکرہ آچکا ہے کہ موصوف صحیحین کے راوی ہیں۔ اس سند کے مطابق عطاء سے اس حدیث کے راوی محمد بن عبد اللہ ہیں۔ یعنی کہ محمد نے اسے عطاء سے نقل کرنے میں محبوب بن ہلال کی متابعت کر رکھی ہے۔ مگر محمد اسے بیک واسطہ

نقل کرنے والے محمد بن ابراہیم عبدی کا ترجمہ ہمیں نہیں ملا پھر بھی اس روایت سے محبوب والی روایت کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔

نیز حافظ ابن حجر نے اصحاب میں کہا ہے کہ اس حدیث کی کئی متصل اور مرسل سندیں ہیں جو ایک دوسرے کو تقویت دیتی ہیں۔ ہم اس روایت کے تمام طرق کو نقل کر کے ان پر بحث نہیں کرنا چاہتے کیونکہ اختصار ہمارے پیش نظر ہے۔
ذیل میں ہم اس حدیث کی ایک مرسل سند پیش کر رہے ہیں۔ جس سے بہر حال اندازہ ہوتا ہے کہ یہ حدیث قوی ہے۔

حضرت امام بصری کی مرسل روایت امام طبرانی نے کہا ہے کہ:

”حدثنا احمد بن زهير ثنا احمد بن منصور ثنا يونس بن محمد المعلم ثنا صدقة بن ابی سہیل عن يونس بن عبيد عن الحسن عن معاوية الخ (معجم كبير للطبرانی حدیث نمبر ۱۰۴۱ ج ۱۹ ص ۴۲۹، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۳۸) مذکورہ بالا حدیث کی بابت امام بیہقی نے کہا کہ ”وفيه صدقة ابن ابی سہیل ولم اعرفه وبقية رجاله ثقات“ یعنی اس حدیث کی سند کے تمام رواۃ ثقہ ہیں صرف ایک راوی صدقہ بن ابی سہیل سے میں واقف نہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۳ ص ۳۸) ہم کہتے ہیں کہ موصوف صدقہ کو امام ابن معین اور ابن حبان نے ثقہ کہا ہے (لسان المیزان ص ۱۸۶ ج ۳) یہ حدیث مرسل ہے مگر حسن بصری تک اس کی سند معتبر ہے اور مرسل حدیث اگر کسی دوسری ضعیف سند سے متصل مروی ہو تو امام شافعی اور عام اہل علم کے نزدیک معتبر قرار پاتی ہے اور احناف کے نزدیک تو مرسل حدیث مطلقاً حجت ہو ا کرتی ہے۔ (عام کتب مصطلح حدیث) اس تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ حضرت معاویہ بن غائبانہ نماز جنازہ کا

پڑھا جانا ثابت شدہ حقیقت ہے اس لئے بعض لوگوں کا یہ دعویٰ باطل اور غلط ہے
محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

کہ غائبانہ نماز جنازہ صرف نجاشی شاہ حبشہ پر نبی ﷺ نے پڑھی تھی اور کسی کی بھی نہیں پڑھی اور یہ کہ نجاشی پر غائبانہ نماز جنازہ کا پڑھا جانا نجاشی کی خصوصیت ہے اس تفصیل سے ان سارے لوگوں کی تغلیط ہوتی ہے جو معاویہ کی نماز جنازہ غائبانہ سے متعلق روایات کو مطلقاً غیر صحیح و غیر معتبر کہتے ہیں۔ نیز ایک بات مانعین غائبانہ نماز جنازہ یہ کہا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو کھینچ کر معاویہ بن معاویہ کی لاش کو رسول اللہ ﷺ کے سامنے کر دیا تھا تب آپ ﷺ نے ان پر نماز جنازہ پڑھی تھی لہذا یہ غائبانہ نماز جنازہ نہیں ہوئی (عام کتب احناف)

ہم کہتے ہیں کہ بطور معجزہ اگر معاویہ موصوف کی لاش کا رسول ﷺ کے سامنے کر دیا جانا ثابت ہو تو بھی اس سے غائبانہ نماز جنازہ کی مشروعیت کی ممانعت ہماری پیش کردہ گذشتہ تفصیل کے مطابق ثابت نہیں ہوتی۔

ایک اور بات مانعین نماز جنازہ غائبانہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر غائبانہ نماز جنازہ مشروع رہی ہوتی تو مدینہ پر فوت ہو جانے والے معاویہ موصوف کی نماز جنازہ پڑھنے کے لئے تبوک میں ہمارے نبی ﷺ سے حضرت جبرئیل یہ نہ کہتے کہ ”اتحب ان تصلی علی معاویہ الحدیث“ یعنی کیا آپ ﷺ معاویہ پر نماز جنازہ پڑھنا چاہتے ہیں تو میں ان کیلئے زمین کو سمیٹ دوں؟ اس پر آپ ﷺ نے صحابہ اور فرشتوں کے ساتھ موصوف کی نماز جنازہ پڑھی (اعلاء السنن کتاب الجنائز)

ہم کہتے ہیں کہ معاویہ موصوف جلیل القدر صحابی تھے مدینہ منورہ میں جب وہ فوت ہوئے تو ظاہر ہے کہ اہل مدینہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھ کر مدینہ منورہ میں دفن کر دیا اور یہ معلوم ہے کہ نماز جنازہ فرض کفایہ ہے ایک بار جب کسی میت کی نماز جنازہ پڑھ لی گئی تو جن لوگوں نے اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی ان کے لئے یہ نماز فرض نہیں رہ گئی۔ بلکہ صرف سنت مستحب رہ گئی لہذا حضرت جبرئیل نے آپ ﷺ سے فرمایا تھا کہ آپ ﷺ اگر چاہیں تو ان کی نماز جنازہ پڑھ لیں مطلب یہ کہ نماز جنازہ غائبانہ سنت و مستحب ہے آدمی چاہے تو پڑھ سکتا ہے ورنہ اس میں میت کا نمازی کے سامنے

(۷۲)

حاضر و غائب ہونے کی کوئی تفریق نہیں ہے جیسا کہ تفصیل گزری مگر ایک مشکل فقہائے احناف کے سامنے یہ ہے کہ ان کے مذہب میں جس میت کی نماز جنازہ ایک بار پڑھ لی گئی ہو اس پر دوبارہ نماز جنازہ پڑھنا مشروع نہیں خواہ میت نمازیوں کے سامنے موجود ہی کیوں نہ ہو۔ حالانکہ احناف کا یہ موقف سراسر حقائق ثابتہ کے خلاف ہے جیسا کہ تفصیل آرہی ہے۔

تنبیہ

بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ نجاشی کی غائبانہ نماز جنازہ ہمارے رسول ﷺ نے اس لئے پڑھی تھی کہ وہ ملک حبشہ میں اپنا ایمان مخفی رکھتے تھے اور ان کی موت ہونے پر وہاں کے لوگوں نے نجاشی کی نماز جنازہ پڑھی ہی نہیں تھی بلکہ موصوف کو نماز جنازہ پڑھے بغیر دفن کر دیا گیا تھا اس لئے یہ حدیث صرف اس بات کی دلیل ہے کہ اگر کوئی مسلمان ایسی جگہ فوت ہو گیا جہاں اسے نماز جنازہ پڑھے بغیر ہی دفن کر دیا گیا تو اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ مگر بہر حال کچھ لوگ مطلقاً غائبانہ نماز جنازہ کے قائل نہیں ہیں۔ اور کچھ لوگ کسی اہم آدمی کی غائبانہ نماز جنازہ کے قائل ہیں مگر ہر کس و ناکس کی غائبانہ نماز جنازہ کے قائل نہیں۔ کیونکہ ان کا کہنا ہے کہ نجاشی بہت بڑے اور اہم آدمی تھے ویسے مدینہ منورہ سے باہر عہد نبوی میں بہت سارے مسلمان مرتے رہتے ہوں گے لیکن کسی اور کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھنے کا آپ ﷺ سے کوئی ثبوت نہیں ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ یہ ساری تاویلات و توجیہات و تعلیلات نص کے مقابلہ میں بے دلیل ہونے کے سبب بے وزن ہیں۔ یہ بات بعید از قیاس ہے کہ حبشہ کا حکمران نجاشی جس نے بھرے دربار میں حضرت جعفر بن ابی طالب کی موجودگی میں تمام نصرانی وزراء و امراء کے سامنے علی الاعلان اسلام کی صداقت اور رسول کی باتوں

کے درست ہونے کا اعتراف و اقرار کیا اس کا ایمان و اسلام مخفی ہو اور اسے لوگوں نے نماز جنازہ پڑھے بغیر اسلامی طریق پر دفن کر دیا ہو اور اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی اس کی خبر آپ ﷺ کو نہ دی ہو کہ اس مسلم حکمران کی تدفین نماز جنازہ پڑھے بغیر کر دی گئی ہے اس لئے آپ ﷺ یہاں مدینہ منورہ میں اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھنے آپ ﷺ نے نجاشی کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھنے کی توجیہ و تعلیل یہ کہہ کر کی تھی کہ تمہارا مسلمان بھائی دور دراز والے دوسرے ملک میں فوت ہو گیا ہے اس لئے دور دراز دوسرے ملک میں فوت ہو جانے والے اپنے بھائی کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھو یعنی کہ اس قدر دوری کے باعث چونکہ تم سب موصوف کی حاضرانہ نماز جنازہ میں شریک نہیں ہو سکتے ایسا ممکن نہیں بلکہ اس زمانہ کے اعتبار سے محال ہے لہذا موصوف کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھو! اتنی واضح تعلیل و توجیہ نبوی کے ہوتے ہوئے بے وزن تاویلات سے کام لیکر اس حدیث پر عمل سے راہ فرار اختیار کرنا کوئی اچھی بات نہیں ہے۔

دوسری بات یہ کہ مذکورہ بالا تاویل و توجیہ نجاشی کے بارے میں تو چل سکتی ہے حالانکہ یہ بھی مستبعد اور خلاف تحقیق محض ظنی و قیاسی چیز ہے مگر معاویہ موصوف کی وفات مدینہ منورہ میں ۹ھ میں ہوئی تھی جہاں بکثرت مسلمان موجود تھے اور کوئی شک و شبہ نہیں کہ مدینہ منورہ میں اہل اسلام نے معاویہ موصوف کی تجہیز و تکفین و تدفین اسلامی طریق پر کی ہوگی اور موصوف کی نماز جنازہ ضرور ہی پڑھی ہوگی۔ اس کے باوجود موصوف کی نماز جنازہ غائبانہ مدینہ منورہ سے دور آپ ﷺ کا پڑھنا غائبانہ نماز جنازہ کے مشروع ہونے کی واضح دلیل ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ آپ ﷺ مدینہ منورہ میں موجودگی کے باوجود بھی بعض اوقات مرجانے والوں کی تجہیز و تکفین کی اطلاع آپ ﷺ کو دئے بغیر آپ ﷺ کے بلا بلائے میت کی نماز جنازہ پڑھ کر دفن کر دیا کرتے تھے اس کی خبر آپ ﷺ کو بعد میں ہوتی تھی اور آپ ﷺ اس کی قبر پر جا کر صحابہ کے ساتھ نماز جنازہ پڑھتے تھے۔

(۷۴)

ایک روایت میں آیا ہے کہ آپ ﷺ سفر میں تھے کہ مشہور صحابی حضرت سعد بن عبادہ کی والدہ محترمہ کا انتقال ہو گیا اور موصوفہ کو لوگوں نے اسلامی رسوم کے مطابق نماز جنازہ پڑھ کر دفن کر دیا۔ سفر سے ایک عرصہ کے بعد آپ ﷺ واپس آئے تو حضرت سعد کی درخواست پر آپ ﷺ نے والدہ سعد کی قبر پر جا کر نماز جنازہ پڑھی۔ اگر مدینہ منورہ سے باہر آپ ﷺ کو والدہ سعد کی موت کی خبر ہوئی ہوتی اور آپ ﷺ سے غائبانہ نماز جنازہ پڑھنے کی درخواست کی گئی ہوتی تو ہم بھی سمجھتے ہیں کہ جس طرح آپ ﷺ نے حضرت معاویہ موصوف کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی اسی طرح ان کی پڑھتے۔

بعض لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ کوئی اہم آدمی جو نجاشی کی طرح ہو اس کی غائبانہ نماز جنازہ تو پڑھی جائے ورنہ نہیں عجیب ہے کیونکہ ہر مسلمان آدمی ہونے کے اعتبار سے یکساں حقوق رکھتا ہے شرعی مسائل میں بڑے چھوٹے اور اہم و غیر اہم کی اس طرح کی تفریق نامناسب و نامعقول ہے۔ اسلام کی جملہ خصوصیات میں سے ایک بڑی خصوصیت مساوات اور عدم امتیاز کی ہے۔ ہاں جیسا کہ ہم نے عرض کیا کہ نماز جنازہ بذات خود فرض کفایہ ہے ایک بار پڑھ چکنے کے بعد فرض نہیں رہ جاتی غائبانہ یا حاضرانہ طور پر ایک سے زیادہ مرتبہ اس کی نماز جنازہ کا پڑھنا صرف مستنون و مستحب اور کار فضیلت ہے جس کا جی چاہے وہ حصول ثواب اور حصول فضیلت کے لئے اس پر عمل کرے مگر اس کے مستنون و مشروع ہونے سے انکار بلادلیل ہے۔ ہر مسلمان کو بلادلیل کسی منصوص چیز کے انکار سے اجتناب و احتراز کرنا لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو توفیق دے کہ تمام ثابت شدہ احادیث کو مانیں اور ان کے مقتضی پر حتیٰ الوسع عمل کریں۔ آمین یا رب العالمین۔

حضرت زید بن حارثہ اور جعفر بن ابی طالب کی نماز جنازہ غائبانہ
امام المغازی محمد بن عمر واقدی اسلمی نے کہا کہ :

” حدیثی محمد بن صالح عن عاصم بن عمر بن قتادہ حدیثی عبد

(۷۵)

الجبار بن عمارة عن عبد الله بن ابي بكر قال لما التقى الناس بموتة جلس رسول الله صلى الله عليه وسلم على المنبر وكشف له ما بينه وبين الشام فهو ينظر الى معركتهم فقال عليه السلام اخذ الراية زيد بن حارثة فمضى حتى استشهد وصلى عليه وعاله وقال استغفروا له وقد دخل الجنة وهو يسعى ثم اخذ الراية جعفر بن ابي طالب فمضى حتى استشهد فصلى عليه رسول الله صلى الله عليه وسلم وعاله وقال استغفروا له ودخل الجنة فهو بطر فيها بجناحية حيث شاء " یعنی جنگ موتہ میں جب قال ہوا تو اس وقت رسول اللہ ﷺ منبر پر بیٹھے تھے اور آپ ﷺ کے لئے ملک شام کو جہاں یہ جنگ ہو رہی تھی بطور معجزہ ظاہر کر دیا گیا لہذا آپ ﷺ اس جنگ کا مشاہدہ کرتے رہے چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس وقت اسلامی پرچم زید بن حارثہ نے تھام رکھا ہے موصوف زید جنگ کرتے رہے حتیٰ کہ شہید ہو گئے آپ نے زید کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھی اور دعا کی اور بھی لوگوں سے کہا کہ تم بھی ان کے لئے استغفار کرو یعنی نماز جنازہ غائبانہ نہ پڑھو اسی طرح اس معرکہ میں جعفر بن ابی طالب بھی شہید ہو گئے اور ان کی نماز جنازہ غائبانہ بھی آپ ﷺ نے پڑھی اور لوگوں کو اس کا حکم دیا (نصب الراية بحوالہ

کتاب المغازی للواقدي ج ۲ ص ۲۸۳ والبدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۲۸۱، ۲۸۲)

جیسا کہ ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں مذکورہ بالا روایت امام المغازی محمد بن عمر واقدي نے اپنی بیان کردہ سند کے ساتھ نقل کی ہے مگر ہم عرض کر آئے ہیں کہ علوم اسلامیہ خصوصاً علوم مغازی میں غیر معمولی مہارت و شہرت رکھنے کے باوصف موصوف واقدي غیر ثقہ حتیٰ کہ کذاب اور وضاع راوی ہیں۔ موصوف نے مندرجہ بالا اپنی بیان کردہ حدیث کے لئے جو سند ذکر کی ہے اس کے سبھی رواۃ معتبر و ثقہ ہیں مگر موصوف واقدي بذات خود غیر ثقہ ہیں اس لئے یہ روایت اس سند کے ساتھ ساقط الاعتبار ہے اور ہم کو نہیں معلوم ہو سکا کہ واقدي کے علاوہ کسی معتبر و ثقہ راوی نے یہ

(۷۶)

روایت نقل کہ ہے۔ ہماری معلومات نہ ہونے سے بہر حال یہ لازم نہیں آتا کہ اس معنی و مفہوم کی کوئی معتبر روایت نہ بھی ہو پھر بھی ہم نے واقدی کی ذکر کردہ اس روایت کا تذکرہ محض برسمیل تذکرہ کیا ہے اسے حجت و دلیل کے طور پر ہم نے یہاں ذکر نہیں کیا ہے۔ البتہ یہ روایت ثابت نہیں ہے۔

اس روایت کا مفاد یہ ہے کہ مدینہ منورہ سے کافی دور واقع ہونے والے معرکہ موتہ میں شہادت پائے ہوئے کچھ حضرات یعنی حضرت زید بن حارثہ، جعفر بن ابی طالب کی نماز جنازہ غائبانہ رسول اللہ ﷺ نے پڑھی۔ ہمارے نزدیک تو یہ روایت واقدی فی نفسہ حجت نہیں ہے مگر جو لوگ واقدی کو معتبر مانتے ہیں اور موصوف کی روایات کو اپنے موقف پر دلیل بنانے کے عادی ہیں ان کے خلاف ضرور حجت ہے۔ واقدی کو متعدد حضرات نے وضاع و کذاب کہا ہے اور یہی بات صحیح بھی ہے مگر بعض علمائے جرح و تعدیل سے موصوف کی توثیق بھی منقول ہے۔ خطیب کی تاریخ بغداد اور دیگر کتب جرح و تعدیل ترجمہ واقدی میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

غزوہ موتہ دراصل ملک شام میں پیش آیا تھا جہاں رومیوں یعنی یورپ کا سامراج تھا یہ جنگ درحقیقت اسلام اور نصرانیت کی جنگ تھی۔ ابتداء میں رومی عیسائی فوج بری طرح شکست کھا گئی تھی پھر رومیوں کا پلہ بھاری ہو گیا جس میں رسول اللہ ﷺ کے نامزد کردہ تین سپہ سالار زید بن حارثہ، جعفر بن ابی طالب اور عبد اللہ بن رواحہ بھی شہید ہو گئے اور بہت خون ریز جنگ ہوئی پھر اسلامی فوج کی قیادت حضرت خالد بن الولید سیف اللہ رضی اللہ عنہ نے سنبھالی اور مسلمانوں کا غلبہ ہوا۔ عام کتب تاریخ و سیر و مغازی میں مذکور شدہ تفصیل کا یہی حاصل ہے۔

یہ معلوم ہے کہ غزوہ موتہ ۸ھ میں پیش آیا تھا (ملاحظہ ہو فتح الباری باب غزوہ موتہ من ارض الشام ج ۷ ص ۵۱۰، ۵۱۱ والبدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۲۷۸ تا ۲۸۵ و عام کتب سیر و تاریخ و مغازی)

مصنف نصب الراية نے کہا کہ شہدائے مذکورین پر آپ ﷺ کی نماز جنازہ

(۷۷)

غائبانہ پڑھتی جانے سے متعلق روایت و اقدیٰ مرسل ہے مگر مرسل حنفی مذہب میں ثبت ہے اور عام دیوبندی ادگ و اقدیٰ کو معتبر مانتے ہیں بہر حال و اقدیٰ کے اس بیان کے معارض کوئی بات ثابت نہیں اور کسی بھی نص شرعی میں غائبانہ نماز جنازہ کی ممانعت نہیں کی گئی ہے۔ البتہ اس کے اثبات میں دلائل موجود ہیں۔

تنبیہ

یہ معلوم ہے کہ قرآنی آیت "استغفرلہم او لا تستغفرلہم" پ ۱۰ سورۃ توبہ : ۸۰) اور "سواء تلینم استغفرت لہم ام لم تستغفر لہم" (پ ۲۸ سورۃ المنافقون : ۶) کے معنی و مفہوم میں نماز جنازہ بھی داخل ہے اور آپ ﷺ نے بسب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شاہ حبشہ نجاشی پر غائبانہ نماز جنازہ پڑھنے کا حکم دیا تھا تو اپنے اس حکم کے لئے جو الفاظ استعمال کئے تھے ان میں جہاں "صلوا علی اخیکم" کے الفاظ وارد ہیں وہیں "استغفروا ل اخیکم" کے الفاظ بھی وارد ہوئے ہیں۔ (روہ الامام احمد فی مسندہ ج ۳ ص ۲۶۰ و ۲۶۳ بسند حسن و رواہ الامام البخاری فی صحیحہ فی باب الصلوۃ علی الجنائز بالمصلی والمسجد ج ۱ ص ۷۷ و الامام مسلم فی ابواب الجنائز مع شرحہ النووی ج ۱ ص ۳۰۹ عن ابی ہریرۃ مرئوفاً) جس سے مستفاد ہوتا ہے کہ حدیث نبوی میں اس موقع پر استغفار کا لفظ نماز جنازہ کے لئے استعمال کیا گیا ہے اور بعینہ یہی الفاظ نبی ﷺ کا حضرت زید بن حارثہ، جعفر بن ابی طالب اور عبد اللہ بن زواحہ کی خبر موت دیتے وقت استعمال کرنا ثابت ہے چنانچہ لشکر موتہ کے سلسلے میں مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ :

"الا اخبرکم عن حبیشکم هذا الغازی اثم انطلقوا فلقوا العدو افاصیب زید شہیدا فاستغفروا له فاستغفر له الناس ثم اخذ اللواء جعفر بن ابی طالب فشد علی القوم حتی قتل شہیدا اشہد له بالشہادة فاستغفروا له ثم اخذ اللواء عبد اللہ بن رواحہ فاثبت قدمیه حتی قتل شہیدا فاستغفروا

لہ الحدیث .. یعنی میں تم لوگوں کو اس غزوہ کرنے والے لشکر کے بارے میں کیا یہ خبر نہ کروں کہ اس کے فوجی و سپاہی روانہ ہوئے اور دشمن سے انہوں نے جنگ کی اس میں زید بن حارثہ شہید ہو گئے لہذا تم ان کے لئے استغفار و دعائے مغفرت کرو چنانچہ لوگوں نے موصوف زید کے لئے استغفار و دعائے مغفرت کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان کے بعد پرچم اسلام جعفر بن ابی طالب نے اٹھایا اور دشمن پر انہوں نے سخت حملہ کیا یہاں تک کہ موصوف جعفر بھی شہید ہو گئے میں موصوف جعفر کی شہادت کی گواہی دیتا ہوں لہذا تم ان کے لئے بھی استغفار کرو ان کے بعد اسلامی لشکر کا جھنڈا عبد اللہ بن رواحہ نے تھاما اور ثبات قدمی کے ساتھ موصوف جنگ کرتے رہے حتیٰ کہ موصوف بھی شہید ہو گئے لہذا تم ان کے واسطے بھی استغفار کرو چنانچہ سبھی لوگوں نے ان کے لئے دعائے مغفرت کی الخ (اخرچہ الامام احمد بسند صحیح ج ۵ ص ۲۹۹ و ص ۳۰۰ و ص ۳۰۱)

اس حدیث صحیح سے استغفار بمعنی نماز جنازہ مراد لے کر جیسا کہ مذکورہ بالا دونوں آیتوں اور نجاشی والی حدیث سے استغفار سے نماز جنازہ مراد لیا گیا ہے یہ استدلال کیا جاسکتا ہے کہ واقعی والی ساقط الاعتبار روایت کی یہ معنوی متابع و شاہد ہے۔ اس سے یہ استدلال ممکن ہو جاتا ہے کہ ان شہدائے جنگ موتہ کی غائبانہ نماز جنازہ حکم نبوی کے مطابق پڑھی گئی تھی۔ اس اعتبار سے حدیث مذکور کو غائبانہ نماز جنازہ کے مشروع ہونے پر دلیل قرار دیا جاسکتا ہے۔

ہمارا اپنے موقف پر اصل استدلال نجاشی پر حکم نبوی کے مطابق پڑھی جانے والی غائبانہ نماز جنازہ کے واقعہ سے ہے اور یہ واقعہ متواتر المعنی روایات سے ثابت ہے جس سے احناف کے یہاں بھی علم یقین حاصل ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس واقعہ یعنی نجاشی پر غائبانہ نماز جنازہ پڑھی جانے کے واقعہ کے وقوع سے کسی کو بھی مجال انکار نہیں ہے البتہ اس سے مستفاد ہونے والے حکم غائبانہ نماز جنازہ کو تسلیم کرنے سے کچھ لوگوں کو انکار ہے اور یہ انکار محض بے بنیاد اور ناقابل قبول تاویلات و توجیہات پر قائم

(۷۹)

ہے جس کا کوئی اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ نجاشی پر حکم نبوی کے مطابق پڑھی جانے والی غائبانہ نماز جنازہ کے واقعہ سے تمام کے تمام لوگ مختلف قسم کے مسائل کا استنباط و استخراج کرتے اور اس واقعہ کو اپنے اختیار کردہ موقف کی دلیل قرار دیتے ہیں مثلاً خبر مرگ دینے کے جواز پر اس واقعہ سے استدلال کیا جاتا ہے کہ جاہلی رسم کی آمیزش کے بغیر کسی آدمی کے مرنے کی خبر دی جاسکتی ہے بلکہ بعض اوقات خبر مرگ کا دینا ضروری ہوا کرتا ہے نیز اس واقعہ نماز جنازہ غائبانہ سے اس بات پر بھی استدلال کیا جاتا ہے کہ نماز جنازہ میں چار تکبیریں مشروع ہیں۔ بلکہ اس سے بعض لوگ چار سے زیادہ تکبیروں کے منسوخ ہونے پر بھی استدلال کرتے ہیں اور وجہ استدلال یہ بتلاتے ہیں کہ نجاشی کی نماز جنازہ آپ ﷺ نے اپنی عمر کے اواخر میں یعنی ۹ھ میں پڑھائی تھی۔

نجاشی پر پڑھی جانے والی غائبانہ نماز جنازہ سے اس بات پر استدلال کیا جاتا ہے کہ ہجگانہ نمازوں والی مسجدوں میں نماز جنازہ پڑھنے کے لئے آپ ﷺ قبرستان سے قریب نماز جنازہ پڑھی جانے والی جگہ گئے تھے مسجد نبوی ہی میں آپ ﷺ نے یہ غائبانہ نماز جنازہ نہیں پڑھی۔ بعض لوگ تو ہجگانہ نمازوں والی مسجدوں میں نماز جنازہ پڑھنے کو ناجائز و غیر مشروع کہتے ہیں جب کہ سہل بن بیضاء مشہور صحابی کی نماز جنازہ آپ ﷺ نے مسجد ہی میں پڑھی تھی نیز حضرت ابو بکر صدیق کی نماز جنازہ اور حضرت عمر فاروق کی نماز جنازہ مسجد ہی میں پڑھی گئی تھی جیسا کہ تفصیل آرہی ہے۔

غائبانہ نماز کو مشروع ماننے کی صورت میں لازم آتا ہے کہ ایک ہی میت کی متعدد بار نماز جنازہ مختلف جماعتوں کے ساتھ لوگ پڑھیں اور ایسا کرنے سے بعض فقہائے احناف منع کرتے ہیں (عام کتب حنفی) حالانکہ مناقب ابی حنیفہ میں بطور فخر کہا گیا ہے کہ امام ابو حنیفہ کی نماز جنازہ چھ مرتبہ پڑھی گئی اس کی تفصیل ہماری کتاب اللمحات الی مافی النوار الباری من الظلمات میں ہے۔

ایک ہی میت پر ایک سے زیادہ مرتبہ نماز جنازہ کی مشروعیت کا ثبوت احادیث نبویہ میں موجود ہے ہم اس جگہ بحث کی ذکر کر دینا مناسب سمجھتے ہیں۔

ایک میت پر ایک سے زیادہ بار نماز جنازہ کی مشروعیت

مشہور حدیثی محدث علامہ جمال الدین ابن محمد عبد اللہ بن یوسف زلیعی متوفی

۶۲۷ھ قائل ہیں کہ:

” عن یزید بن ثابت (وهو اخو زید بن ثابت وکان یزید اکبر من زید) قال خرجنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فلما وردنا البقيع اذا هو بقبر فسال عنه فقالوا فلانة فعرفها فقال الا اذنتوني بها ؟ قالوا كنت قاتلا صائما قال فلا تفعلوا لا اعرفن ما مات منكم ميت ما كنت بين اظهركم الا اذنتوني به فان صلوتی علیہ رحمة قال ثم اتی القبر فصغفنا خلفه وکبر علیہ اربعاً ” یعنی حضرت زید بن ثابت انصاری کے بڑے بھائی یزید نے کہا کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ باہر نکل کر چلے جب آپ ﷺ البقیع (مدینہ منورہ کے قبرستان) پہنچے تو وہاں آپ ﷺ نے ایک نئی قبر دیکھی آپ ﷺ نے اس قبر کی بابت پوچھا تو آپ ﷺ کو لوگوں نے بتلایا کہ یہ فلاں خاتون کی قبر ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگوں نے مجھے اطلاع دے بغیر اسے دفن کیوں کر دیا؟ لوگوں نے کہا کہ آپ ﷺ روزور کھے ہوئے تھے اور قیلولہ فرما رہے تھے ہم لوگوں نے آپ ﷺ کو اطلاع دے بغیر اسے اس لئے دفن کر دیا کہ آپ کو تکلیف نہ ہو آپ ﷺ نے فرمایا ایسا نہ کرو۔ جب تک میں تم میں موجود ہوں تب تک جو آدمی بھی تم میں سے فوت ہو اس کی خبر مجھے ضرور بالضرور کر دیا کرو کیونکہ میں جس میت کی نماز جنازہ پڑھ دوں گا اس کے اوپر میری پڑھی ہوئی نماز جنازہ باعث رحمت ہوگی پھر آپ ﷺ اس کی قبر کے پاس آئے اور ہم نے بھی آپ ﷺ کے پیچھے صف لگائی پھر آپ ﷺ نے اس کی قبر پر نماز جنازہ پڑھی جس میں چار تکبیریں کہیں۔ (رواہ ابن حبان فی صحیحہ والحاکم فی المستدرک ج ۳)

(۸۱)

ص ۵۹۱ والنسائی فی باب الصلوٰۃ علی القبر ج ۱ ص ۲۸۴ وابن ماجہ ص ۱۱۱ والطحاوی فی شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۲۹۵ والامام احمد فی المسند ج ۴ ص ۳۸۸ والبیہقی فی السنن الکبری ج ۴ ص ۳۸ وابن ابی شیبہ فی المصنف ج ۴ ص ۱۵۰ قال العلامة ناصر الدین الالبانی سندہ صحیح، ارواء الغلیل ج ۳ ص ۱۸۵ حدیث نمبر ۷۳۶)

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ لوگوں نے ہمارے رسول ﷺ کو خبر کئے بغیر ایک خاتون پر نماز جنازہ پڑھ کر دن میں فن کر دیا تھا دوسرے دن آپ ﷺ کو قبرستان میں اس کی قبر نظر آئی تو آپ ﷺ نے اس کے متعلق پوچھا پھر آپ نے اس کی قبر ہی پر نماز جنازہ اپنے عام اصحاب کے ساتھ پڑھائی۔ دوبارہ نماز پڑھنے والوں میں وہ حضرت بھی تھے جو دفن سے پہلے اس خاتون کی نماز جنازہ پڑھ چکے تھے۔ اور جب قبر پر دوبارہ نماز جنازہ آپ ﷺ نے اور آپ ﷺ کے اصحاب نے پڑھی تو دفن سے پہلے بدرجہ اولیٰ وہ لوگ اس میت کی نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں جو کسی باعث اس کی نماز جنازہ میں پہلی بار نہیں شریک ہو سکتے تھے نیز اس حدیث سے یہ بھی استفادہ ہوتا ہے کہ پہلی بار نماز جنازہ میں شریک ہونے والے بھی اس میت کی پڑھی جانے والی دوسری مرتبہ کی نماز جنازہ میں ان لوگوں کے ساتھ شریک ہو کر نماز پڑھ سکتے ہیں جو پہلی بار نہ پڑھ سکنے کے سبب دوسری بار پڑھ رہے ہوں۔

اس طرح کی نماز جنازہ آپ ﷺ نے متعدد بار مختلف مردوں اور عورتوں کی پڑھی ہے حتیٰ کہ امام احمد نے فرمایا کہ :

” من يشك في الصلوة على القبر ويروي عن النبي صلى الله عليه وسلم من ستة وجوه كلها حسان “ یعنی قبر پر نماز جنازہ کی مشروعیت میں کسے شک ہو سکتا ہے جب کہ چھ حسن سندوں سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے قبر پر نماز جنازہ پڑھی ہے “ (منار السبیل ص ۱۷۳)

تحقیق پسند اور طالبین تفصیل ارواء الغلیل ج ۳ ص ۱۸۳ تا ۱۸۶ ملاحظہ

فرمائیں۔

والدہ سعد بن عبادہ کی قبر پر نبوی نماز جنازہ

حضرت سعید بن المسیب جیسے عظیم ترین تابعی سے بسند صحیح مروی ہے کہ:

”ان ام سعد ماتت والنبی صلی اللہ علیہ وسلم غائب فلما قدم صلی علیہا وقد مضی لذلك شهر وفی روایۃ فلما اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ انی احب ان تصلی علی ام سعد فاتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم قبرہا وصلی علیہا یعنی مدینہ منورہ سے نبی ﷺ کے عدم موجودگی کے زمانہ میں ام سعد کا انتقال ہو گیا جب آپ ﷺ واپس آئے تو ان کی موت کو ایک مہینے کا عرصہ گزر چکا تھا حضرت سعد بن عبادہ خدمت نبویہ میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ ام سعد کی نماز جنازہ پڑھ دیں چنانچہ آپ ﷺ موصوفہ کی قبر پر آئے اور آپ ﷺ نے نماز جنازہ پڑھی۔ (رواہ الترمذی ج ۱ ص ۹۳ و ابن ابی شیبہ فی المصنف ج ۴ ص ۴۹ و السنی الکبری ج ۴ ص ۴۸)

یہ معلوم ہے کہ حنفی مذہب میں مرسل حدیث مطلقاً حجت ہے اور جمہور اہل علم کے نزدیک خصوصاً امام شافعی کے نزدیک کبار تابعین کی روایت کردہ مرسل حدیث بعض ایسی شرائط کے ساتھ حجت ہے جو زیر بحث حدیث میں موجود ہیں۔ ان شرائط میں سے ایک یہ ہے کہ وہ مرسل حدیث کسی متصل سند والی حدیث سے تائید یافتہ ہو اور یہ حدیث ابن عباس سے متصل سند کے ساتھ بھی مروی ہے (سنن بیہقی ج ۴ ص ۴۸) اس کی سند میں بعض قسم کی ہلکی پھلکی علل قاذبہ ہیں جو امام سعید بن المسیب والی مرسل حدیث نیز اس کی ہم معنی دوسری احادیث کی متابعت کے سبب معتبر ہو جاتی ہے۔ ان باتوں کا حاصل یہ ہے کہ ایک میت کی نماز جنازہ ایک سے زیادہ بار پڑھی جاسکتی ہے اور یہ کہ غائبانہ نماز جنازہ کے عدم جواز پر کوئی بھی شرعی مانع نہیں ہے اور شریعت کے نصوص عامہ سے ہر مومن میت کی نماز جنازہ پڑھنے کا حکم ہے اس سے

(۸۳)

کسی حاضر و غائب میت کو اسی صورت میں مستثنیٰ کیا جاسکتا ہے جس کے مستثنیٰ کئے جانے پر دلیل شرعی موجود ہو اور ہم عرض کر چکے ہیں کہ جنازہ غائبانہ کے عدم جواز پر کوئی شرعی دلیل موجود نہیں بلکہ جواز پر دلائل موجود ہیں۔ جس کا ذکر ہم کر چکے ہیں۔ البتہ ایک مرتبہ ہر میت کی نماز جنازہ فرض کفایہ ہے اس کے بعد غائب یا حاضر میت کی نماز جنازہ فرض نہیں رہ جاتی ہے بلکہ سنت و مستحب رہتی ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ پنجگانہ نمازوں میں سے ہر نماز کے لئے شریعت میں اجازت موجود ہے کہ ایک بار اسے پڑھ چکنے کے بعد آدمی اسے دوسری بار اس صورت میں پڑھ سکتا ہے کہ وہ نماز جماعت سے ہو رہی ہو۔ اس سلسلے میں تفصیل کے ساتھ تحقیق پیش کرنی ہمارے موضوع سے خارج ہے۔

اس میں شک نہیں کہ غائبانہ نماز جنازہ کے مانعین کے پاس کوئی بھی ایسی شرعی دلیل نہیں جس میں صراحت ہو کہ شریعت نے نماز جنازہ غائبانہ سے منع کیا ہے زیادہ سے زیادہ یہ لوگ یہ کہا کرتے ہیں کہ عہد نبوی میں مدینہ منورہ سے باہر کتنے مسلمان فوت ہوتے رہے مگر یہ منقول نہیں کہ آپ ﷺ نے سب کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھی لیکن اولایہ بات معلوم ہے کہ عدم ذکر سے عدم وجود لازم نہیں آتا ثانیاً جس فرض نماز کو ایک بار پڑھ لیا گیا اس کا وجوب ساقط ہو گیا کسی بھی باعث اسے دوبارہ پڑھا جانا صرف سنت و مستحب رہتا ہے اور یہ معلوم ہے کہ سنت و مستحب امور کو ترک کر دینا جائز ہے مگر اس ترک کو اس بات کی دلیل قرار دے لینا کسی طرح صحیح نہیں کہ فعل مذکور سنت و مستحب و مباح بھی نہیں ہے۔ اس لئے مانعین نماز جنازہ غائبانہ کی بات مسموع نہیں ہو سکتی۔

کچھ لوگ کہا کرتے ہیں کہ صحابہ سے غائبانہ نماز جنازہ پڑھا جانا منقول نہیں مگر ہم کہتے ہیں کہ کسی بھی صحابی نے غائبانہ نماز جنازہ کے عدم جواز کا فتویٰ نہیں دیا ہے اس طرح کی کوئی بات کسی بھی صحابی سے منقول نہیں ہے کہ نماز جنازہ غائبانہ ناجائز

ہے بلکہ نماز جنازہ غائبانہ سے منع کرنے والے صحابہ کے بعد ہی ظہور پذیر ہوئے ہیں لہذا مانعین کی یہ بات بھی ناقابل قبول اور غیر مسموع ہے۔

سنن بیہقی ج ۴ ص ۴۵، ۴۴ میں ایک باب منعقد کیا گیا ہے کہ :

” باب الرجل تفوته الصلوة مع الامام فیصلیہا بعدہ “ یعنی امام کے ساتھ جس کی نماز جنازہ فوت ہو گئی وہ بعد میں بھی پڑھ لیوے اس باب کے تحت بعض صحابہ کرام حتیٰ کہ خلیفہ راشد حضرت علی مرتضیٰ سے بھی منقول ہے کہ جو لوگ پہلی بار کسی میت کی نماز جنازہ میں نہیں شریک ہو سکے وہ دوسری بار دوسری جماعت سے پڑھ سکتے ہیں سنن بیہقی کے علاوہ مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ میں بھی اس طرح کی روایات موجود ہیں ان احادیث اور آثار صحابہ کے خلاف کوئی بھی دلیل موجود نہیں ہے۔ آخر ان احادیث و آثار اور عمل صحابہ پر کار بند ہونے سے احناف اور ان کے ہم خیال لوگوں کو کون سی چیز روکے ہوئے ہے؟ غائبانہ نماز جنازہ کے عدم جواز پر مذکورہ بالا قسم کا حیلہ کر دیا گیا مگر اس قسم کے امور میں انہیں کون سی چیز اتباع سنت و اتباع سلف سے روکے ہوئے ہے؟

ضمیمہ

ہم جنازہ سے متعلق ایک مستقل کتاب لکھنے کا ارادہ رکھتے ہیں مگر اللہ جانے کہ یہ ارادہ کب پورا ہو اس کتابچہ میں بعض حضرات کی خواہش و طلب کے مطابق نماز جنازہ سے متعلق بعض خاص باتوں کی طرف اشارہ کر دینا فی الوقت مناسب معلوم ہوتا ہے۔

تکبیرات نماز جنازہ میں رفع الیدین

اس پر تقریباً تمام اہل علم کا جماع و اتفاق ہے کہ نماز جنازہ میں کل چار تکبیریں ہیں اس سے کم یا زیادہ میں کسی قدر بعض کا اختلاف ہے مگر چار تکبیروں سے

(۸۵)

پڑھی ہوئی نماز جنازہ کے صحیح ہونے پر سبھی متفق ہیں اور اس پر بھی سبھی متفق ہیں کہ پہلی تکبیر یعنی تکبیر تحریمہ رفع الیدین کے ساتھ ہوگی جس طرح کہ عام نمازوں میں تکبیر تحریمہ کے ساتھ رفع الیدین کی مشروعیت پر سب کا اتفاق ہے لیکن تکبیر تحریمہ کے معاملہ میں اس اتفاق کے بعد بقیہ تکبیرات نماز جنازہ میں رفع الیدین کی مشروعیت میں اختلاف ہے امام شافعی اور بہت سارے اہل علم باقی تکبیروں میں بھی رفع الیدین کو مشروع و مسنون مانتے ہیں حالانکہ شرعی دلیل نماز جنازہ کی تمام تکبیروں میں رفع الیدین کے مسنون ہونے کے سلسلے میں وارد ہے اور اس سے اختلاف رکھنے والوں کے پاس کوئی بھی قابل اعتبار اور لائق قبول دلیل نہیں ہے۔

امام بیہقی بحوالہ علل دار قطنی ناقل ہیں کہ :

” قال عمر بن شبة حدثنا يزيد بن هارون انبانا يحيى بن سعيد عن نافع عن ابن عمر ان النبي صلى الله عليه وسلم كان يرفع يديه في كل تكبيرة على الجنازة “ یعنی نبی ﷺ نماز جنازہ کی ہر تکبیر کے وقت رفع الیدین کرتے تھے “ (سنن بیہقی ابواب الجنائز و کتاب العلل للدار قطنی)

شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز حفظہ اللہ کی تصحیح و تحقیق سے شائع ہونے والی فتح الباری شرح صحیح البخاری کتاب الجنائز باب سنة الصلوة علی الجنائز کے حاشیہ میں مرقوم ہے کہ :

نماز جنازہ کی ہر تکبیر کے وقت رفع الیدین والی حدیث کی تصحیح

” اخرج الدار قطنی فی العلل باسناد جيد عن ابن عمر مرفوعا وصوب وقفه لانه لم يرفعه سوى عمر بن شبة والا ظهر عدم الالتفات الى هذه العلة لان عمر المذكور ثقة فيقول رفعه لان ذلك زيادة ثقة وهي مقبولة على الراجح عند ائمة الحديث ويكون ذلك دليلا على شرعية رفع الیدین فی تكبیرات الجنازة والله اعلم یعنی دار قطنی کتاب العلل میں جید سند سے حضرت

(۸۶)

عبداللہ بن عمر سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز جنازہ کی تکبیروں کے وقت رفع الیدین کرتے تھے۔ امام دارقطنی نے اس مرفوع حدیث کا موقوف ہونا صواب قرار دیا ہے کیونکہ اسے عمر بن شبہ کے علاوہ کسی اور نے مرفوعاً نہیں نقل کیا ہے لیکن زیادہ واضح و ظاہر بات یہ ہے کہ علت مذکور ناقابل اعتناء ہے کیونکہ جس عمر بن شبہ کو اسے مرفوعاً نقل کرنے میں منفرد بتلایا جا رہا ہے وہ ثقہ ہیں لہذا ان کی نقل کردہ یہ مرفوع حدیث قابل قبول ہے اس لئے کہ ائمہ حدیث کے نزدیک رائج بات یہ ہے کہ ثقہ کی زیادتی مقبول ہوتی ہے بنا بریں حدیث مذکور نماز جنازہ کی ہر تکبیر کے وقت رفع الیدین کے مشروع ہونے کی دلیل ہے۔ (فتح الباری نسخہ مذکورہ کا حاشیہ ص ۱۹۰ ج ۳)

ہم کہتے ہیں کہ امام عمر بن شبہ مولود ۳۷۱ھ و متوفی ۲۶۲ھ کو حافظ ذہبی نے "العلامہ الاخباری الحافظ الحجہ صاحب التصانیف" قرار دیتے ہوئے عام علمائے رجال اور ائمہ حدیث سے موصوف کا ثقہ و مستقیم الحدیث ہونا نقل کیا ہے۔ (سیر اعلام النبلاء ص ۶۹، ۷۲، ۷۳ ج ۱۲، تذکرۃ الحفاظ، تہذیب التہذیب، معجم المؤلفین ج ۸ ص ۲۸۶ والاعلام للزرکلی وغیرہ)

موصوف امام عمر بن شبہ کثیر التصانیف تھے اور مختلف موضوع پر انکی بہت ساری کتابیں موجود ہیں اس لئے زیر بحث حدیث ان کی نہ کسی کتاب میں بھی ضرور مذکور ہوگی اور ایسا نہ بھی ہو تو بہر حال یہ حدیث عمر بن شبہ تک صحیح الاسناد ہے اور عمر بن شبہ ایسے ہختہ کار ثقہ محدث ہیں جن پر کسی قسم کا کوئی کلام جرح کسی بھی امام فن سے منقول نہیں امام دارقطنی کا یا کسی بھی شخص کا یہ کہنا کہ عمر بن شبہ یزید بن ہارون انبائنا یحیی بن سعید عن تافع عن ابن عمر کی سند سے اسے مرفوعاً نقل کرنے میں منفرد ہیں۔ ان کے علاوہ عام رواۃ نے اسے اسی سند سے موقوفاً روایت کیا ہے لہذا یہ کہنا کہ عمر مذکور کا یہ تفرد اس کے مرفوع ہونے میں علت قاذبہ ہے قطعاً غیر صحیح بات ہے کیونکہ عام رواۃ نے اگر اسے موقوفاً نقل کیا ہے تو اسے عمر بن شبہ کا مرفوعاً نقل

(۸۷)

کرنا ثقہ روادے کی مخالفت نہیں ہے بلکہ یہ ثقہ کا ایک اضافہ ہے جو بہر حال مقبول ہے عمر بن شبہ کے علاوہ ایک دوسری ضعیف سند سے امام طبرانی نے معجم اوسط میں یہ حدیث معنوی طور پر نقل کی ہے۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۱۹۰ و مجمع الزوائد ج ۳) ظاہر ہے کہ اس ضعیف سند والی حدیث سے بھی عمر بن شبہ والی روایت کی تائید ہوتی ہے۔ مجمع الزوائد ج ۳ ص ۳۲ میں مرقوم ہے کہ اس کی سند کا ایک راوی عبد اللہ بن محرز مجہول ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ ایک عبد اللہ بن ابن محرز کو میزان الاعتدال اور لسان المیزان میں مجہول کہا ہے مگر حافظ ابن حجر نے مزید کہا کہ ان کا ذکر حافظ ابن حبان نے ثقات میں کیا ہے (لسان المیزان ج ۳ ص ۳۵۶) مگر اس سند میں واقع عبد اللہ بن محرز ابن حبان کے ثقہ قرار دئے ہوئے راوی نہیں ہیں۔ ایک عبد اللہ بن محیریز نامی راوی ثقہ اور صحیحین کے روادے میں سے ہیں یہ بھی اس سند والے راوی نہیں ہیں بلکہ ہمارے نزدیک اس سے مراد عبد اللہ بن محرز (بالراء المہملہ) بن مکرہ عامری جری حرائی ہیں جنہیں غیر ثقہ و غیر معتبر قرار دینے پر تمام علمائے جرح و تعدیل متفق نظر آتے ہیں اگرچہ موصوف کو بعض لوگوں نے ”من خيار العباد“ بہت اچھے لوگوں میں سے قرار دیا ہے پھر بھی ان کے حق میں یہ بات کہنے والے امام ابن حبان نے کہا ہے کہ یہ غیر شعوری طور پر کذب بیانی اور انجان پن میں سندوں کو الٹ پلٹ دیتے تھے امام عمرو بن علی و ابو حاتم رازی و علی بن جنید نے متفقہ طور پر موصوف کو متردک قرار دیا ہے۔ امام بخاری و ابو حاتم رازی و ہلال بن العلاء الرقی نے موصوف کو متفق اللسان ہو کر ”منکر الحدیث“ کہا ہے۔ امام ابن معین و نسائی نے ”لیس بثقة“ کہا۔ الغرض اہل علم موصوف کے غیر ثقہ ہونے پر متفق ہیں مگر ان کے غیر ثقہ ہونے پر اس اتفاق کے باوجود چونکہ ان کے علاوہ دوسری معتبر سند سے بھی یہ حدیث منقول و مروی ہے اور اس کے مطابق صحابہ کا عمل بھی ہے اور اصول حدیث کے مطابق معتبر سند سے مروی حدیث پر صحابہ کا عمل

اس کے ثابت شدہ ہونے پر دلالت کرتا ہے اس لئے عبد اللہ بن محرر نامی اس ساقط الاعتبار راوی نے بھی جب یہ روایت نقل کی ہے تو ”قد يصدق الكذب“ (یعنی کبھی کبھار جھوٹا آدمی بھی سچ بول دیا کرتا ہے) کی مثل کے مطابق یہی سمجھ میں آتا ہے کہ اس روایت کو ابن عمر سے مرفوعاً نقل کرنے میں عبد اللہ بن محرر نے صحیح بات بیان کی ہے جس کا دوسرا مطلب یہ نکلا کہ اس کی روایت مذکورہ سے ابن عمر والی روایت معتبرہ کی مزید تائید و تقویت ہوتی ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

خليفة راشد عمر فاروق نماز جنازه کی ہر تکبیر پر رفع الیدین کرتے تھے

علاوہ ازیں امام بیہقی نے کہا کہ :

”اخبرنا ابو عبد الله الحافظ ابو بكر بن اسحاق حدثنا بشر بن موسى ثنا ابو زكريا انا ابن لهيعة عن بكر بن سواده أن عمر بن الخطاب كان يرفع يديه مع كل تكبيرة الجنازة والعیدین“ یعنی بکر بن سوادہ نے کہا کہ حضرت عمر بن خطاب جنازہ اور عیدین کی ہر تکبیر میں رفع الیدین کرتے تھے ”(سنن بیہقی ج ۳ ص ۲۹۲)

امام بیہقی نے اس روایت کی صرف یہ ایک علت بیان کی ہے کہ اس کی سند منقطع ہے یعنی کہ بکر بن سوادہ کا سماع و لقاء حضرت عمر بن خطاب سے نہیں ہے لیکن بکر بن سوادہ حافظ ابن حجر کی اصطلاح کے مطابق تیسرے طبقہ کے تابعی ہیں اور مکث کا رتقہ بھی۔ (تقریب التہذیب ترجمہ بکر بن سوادہ) اور اس طرح کی روایت احناف اور بہت سے لوگوں کی اصطلاح میں مرسل ہے اور مرسل احناف کے یہاں حجت ہوتی ہے لیکن از روئے تحقیق اس سند کی علت قاذبہ یہ ہے کہ بکر بن سوادہ سے اس کی روایت کرنے والے راوی عبد اللہ بن لہیعہ مدلس ہیں اور مدلس کی تصریح تحدیث

کے بغیر معتبر روایت نہیں ہوتی اس لئے روایت مذکورہ کی یہ علت بھی قاذح ہے۔ مگر اس کے باوصف حضرت عمر بن خطاب اور ان کے صاحب زادے سے اس کے خلاف دوسری بات مروی نہیں ہے اور مدونہ مالک میں بھی حضرت عمر بن خطاب سے اس معنی و مفہوم کی روایت بلا ذکر سند منقول ہے کہ عمر بن خطاب نماز جنازہ کی ہر تکبیر میں رفع الیدین کرتے تھے۔ امام مالک ابن لہیعہ کے معاصر تھے اگر انہوں نے ابن لہیعہ والی اس روایت پر اعتماد کیا ہے تو اس امر کی دلیل ہے کہ موصوف سے یہ روایت تصریح تحدیث کے ساتھ منقول ہے کیونکہ امام مالک کا رواۃ اور روایات کے معاملہ میں بہت زیادہ تحقیق پسند اور محتاط ہونا معروف بات ہے۔ بہر حال ہم سند مذکور سے مروی عمر بن خطاب والی روایت کو منفرد اجماع نہیں مانتے مگر اسے تائید و استشہاد میں پیش کئے جانے کے لائق تو مانتے ہی ہیں۔

یہ تو معلوم ہو چکا ہے کہ یہ حدیث ابن عمر سے مرفوعاً بسند معتبر منقول و مروی ہے علاوہ ازیں اس مرفوع حدیث کے مرفوعاً صحیح ہونے کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ اسے مرفوعاً نقل کرنے والے صحابی عبداللہ بن عمر بن خطاب بذات خود اس کے مقتضی پر عمل کرتے ہوئے نماز جنازہ کی ہر تکبیر پر رفع الیدین کرتے تھے اور ابن عمر کا قبیح سنت ہونا مشہور و معروف بات ہے یہ محتاج وضاحت مسئلہ نہیں ہے پھر ابن عمر کی اس مرفوع حدیث اور اس کے مطابق ان کے عمل کے خلاف کوئی بھی دلیل شرعی موجود نہیں ہے اگر یہ حدیث مرفوع نہ بھی ہوتی تو اسے مرفوع کے حکم میں ماننا اصول حدیث کے مطابق لازم ہے۔

نماز جنازہ کی ہر تکبیر پر رفع الیدین سے متعلق کلام زیلعی کا تحقیقی جائزہ

ایک عجیب بات زیلعی حنفی نے یہ لکھی کہ:

”ولم یرو البخاری فی کتابہ المفرد رفع الیدین شیئا فی هذا الباب“

الا حدیثا موقوفاً علی ابن عمر و حدیثا موقوفاً علی عمر بن عبد العزیز .
یعنی امام بخاری نے رفع الیدین پر اپنی لکھی ہوئی مستقل کتاب (جزو رفع الیدین) میں
نماز جنازہ کی تکبیرات کے وقت رفع الیدین کے ثبوت میں ابن عمر کی موقوف حدیث
نیز عمر بن عبد العزیز کی موقوف حدیث کے علاوہ کسی اور روایت کو نقل نہیں کیا
(نصب الراية ج ۲ ص ۲۸۵)

حالانکہ امام بخاری نے اپنی اس کتاب میں ابن عمر سے کئی اسانید کے ساتھ
نیز خلیفہ راشد عمر بن عبد العزیز سے جنازہ کی ہر تکبیر پر رفع الیدین کا تعامل نقل کرنے
کے علاوہ قیس بن ابی حازم سے بھی بسند صحیح ہر تکبیر کے وقت رفع الیدین کا عمل
نقل کیا ہے (ملاحظہ ہو جزو رفع الیدین للبخاری مع جلاء العینین للشیخ السید ابی محمد بدیع
الدین الراشدی مطبوعہ اداره العلوم الاثریہ فیصل آباد پاکستان ۱۹۸۳ء ص ۱۸۵) نیز
ملاحظہ ہو مصنف ابن شیبہ ج ۲ ص ۹۶ و مصنف عبد الرزاق ج ۳ ص ۳۶۹)

قیس بن ابی حازم کو بعض اہل علم نے صحابہ میں شمار کیا ہے (اصابہ ترجمہ
قیس بن ابی حازم) اس اعتبار سے موصوف کی روایت بھی صحابی کی موقوف حدیث
مرفوع کے مطابق ہے اور معنوی طور پر خود بھی مرفوع حکمی ہے۔

اسی طرح چوتھی حدیث امام بخاری نے نافع بن جبیر اور پانچویں روایت مکحول
شامی چھٹی روایت وھب بن منبہ، ساتویں روایت زہری سے نقل کی ہے ان روایات
کے علاوہ عمر بن عبد العزیز والی آٹھویں روایت کا اعتراف خود مصنف نصب الراية کو ہی
ہے۔ ان آٹھ روایات کو صرف دو روایات کہنا کیا معنی رکھتا ہے؟ ان آٹھوں حضرات
میں سے ایک خلیفہ راشد بھی ہیں اور خلیفہ راشد کی اہمیت سے کوئی بھی صاحب علم نا
واقف نہیں مشہور حدیث نبوی ہے کہ ”علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدين
المہدیین“ (مشکوٰۃ مع مرعاة کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة) ان حضرات کا تعامل
حدیث نبوی کے بالکل موافق ہے۔ ان آٹھوں حضرات کے علاوہ امام حسن بصری سے

بھی امام بخاری نے اپنی کتاب مذکور میں یہی عمل نقل کیا ہے (جزو رفع الیدین للبخاری مع جلاء العینین ص ۱۹۲) کیا نور وایات کو صرف دو روایات کہنا کسی صاحب علم کے شایان شان ہے؟ امام اوزاعی سے بھی نماز جنازہ کی تمام تکبیرات میں رفع الیدین کی روایت بسند صحیح منقول ہے (جزو رفع الیدین للبخاری مع جلاء العینین ص ۱۸۳) جلاء العینین کے حاشیہ پر مالکی مذہب کی مشہور کتاب مدونہ ج ۱ ص ۱۷۶ سے منقول ہے کہ:

” قال ابن وهب وان عمر بن الخطاب والقاسم وعمر بن عبد العزيز وعروة بن الزبير وموسى بن نعيم وابن شهاب وربيعة ويحيى بن سعيد القطان كانوا اذا كبروا على الجنائز رفعوا ايديهم في كل تكبيره وقال مالك لي انه ليعجبني أن يرفع يديه في التكبيرات الاربع “ یعنی ابن وہب نے کہا کہ خلیفہ راشد عمر بن خطاب فاروق اعظم، قاسم بن محمد، عمر بن عبد العزیز (خلیفہ راشد)، عروہ بن زبیر، موسیٰ بن نعیم، ابن شہاب زہری، ربیعہ و یحییٰ بن سعید جنازہ کی ہر تکبیر پر رفع الیدین کرتے تھے اور امام مالک نے کہا کہ مجھے بھی یہی بات پسند ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ خلیفہ راشد عمر بن عبد العزیز کے علاوہ دوسرے خلیفہ راشد عمر بن خطاب بھی اسی موقف پر کار بند تھے اور ان کے علاوہ بہت سارے حضرات بھی اسی موقف کے قائل تھے۔ ان اساطین امت کا جو عمل حدیث نبوی کے مطابق ہے اس سے انحراف و اعراض کرنا اور دعویٰ حق پرستی بھی کرنا عجب ہے۔

روایت ابی ہریرہ پر بحث

مذکورہ بالا گل افشانی کرنے والے علامہ زیلیعی حنفی موصوف اپنی تائید میں کوئی بھی روایت قابل التفات و لائق اعتناء نہیں نقل کر سکے موصوف نے دو روایات نقل کی ہیں جن میں سے ایک یہ ہے:

” عن ابی ہریرۃ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا صلی

على الجنازة رفع يديه في اول تكبيره ثم وضع يده اليمنى على اليسرى ...
یعنی حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز جنازہ کی پہلی تکبیر میں
رفع الیدین کرتے تھے الخ“ (نصب الراية ج ۲ ص ۲۸۵ بحوالہ جامع ترمذی باب ماجاء فی
رفع الیدین علی الجنازة) نیز ملاحظہ ہو سنن دار قطنی ج ۱ ص ۱۹۲، سنن بیہقی ج ۴ ص
۲۸۴، طبقات الاصبہانیین لابی الشیخ ص ۲۶۲)

یہ روایت قطعاً حنفی موقف پر دلیل نہیں بن سکتی کیونکہ اس میں پہلی تکبیر
کے بعد والی تینوں تکبیروں میں رفع الیدین کی نفی نہیں کی گئی ہے بایں ہمہ زیلعی بذات
خود اس روایت کے سلسلے میں ناقل ہیں کہ :

” قال الترمذی حدیث غریب لا نعرفه الا من هذا الوجه انتھی
واعله بن القطان بابی فروة نقل تضعیفه عن احمد والنسائی وابن معین
والعقلمی قال ففیه علة اخرى وهو یحی بن یعلی الراوی عن ابی فروة
ضعیف قال ابن حبان فی ابی فروة کثیر الخطاء لا یعجبنی الاحتجاج به
اذا وافق الثقات فکیف اذا انفرد ثم نقل عن ابن معین انه قال لیس بشئ“
یعنی کہ امام ترمذی نے کہا اسے ہم محض اسی سند سے جانتے ہیں۔ اور امام ابن القطان نے
کہا کہ صرف اسی سند سے مروی شدہ اس روایت کے مدار علیہ راوی ابو فروہ اور اس کے
شاگرد یحی بن یعلی کو اہل علم نے ساقط الاعتبار قرار دیا ہے یعنی کہ روایت مذکورہ قطعی
طور پر غیر معتبر ہے (نصب الراية ج ۲ ص ۲۸۵)

یہ ساقط الاعتبار روایت جب بلحاظ سند ناکارہ اور غیر کار آمد ہے اور حنفی
موقف پر دلیل صریح بھی نہیں تو اسے اپنی تائید میں احناف کا یا کسی کا پیش کرنا غیر ذمہ
دارانہ حرکت ہے۔ پھر اس روایت سے صرف اتنی بات مستفاد ہوتی ہے کہ نماز جنازہ
کی پہلی تکبیر کے وقت آپ ﷺ نے رفع الیدین کیا اس سے دوسری اور تیسری و
چوتھی تکبیروں کے وقت رفع الیدین نہ کرنے کی بات ہرگز ثابت نہیں ہوتی لہذا اسے

نماز جنازہ کی تمام تکبیروں باستثنائے تکبیر تحریمہ میں رفع الیدین کے غیر شرعی ہونے کے ثبوت میں پیش کرنا صحیح نہیں ہے۔

ترجمہ یزید بن سنان ابی فروہ

اس روایت کے مدار علیہ راوی ابو فروہ یزید بن سنان جزری راوی مولود ۹۶ھ و متوفی ۱۵۵ھ کو امام نسائی نے "متروک الحدیث لیس بثقة" کہا (تہذیب التہذیب ترجمہ یزید بن سنان) اور یہ سخت ترین تخریج میں سے ہے۔ امام ابن معین نے موصوف کو "لیس بثقة" اور "لیس بشی" کہا (عام کتب رجال الضعفاء للعقيلي ج ۴ ص ۳۸۲) یہ بھی سخت ترین تخریج میں سے ہے اور یہی بات موصوف کی بابت امام ابو داؤد نے بھی کہی ہے۔ امام ابو حاتم رازی نے موصوف کو "محله الصدق" کہنے کے باوجود "کان الغالب علیہ الغفلة یکتب حدیثہ ولا یحتج بہ" کہا (الجرح والتعديل لابن ابی حاتم کتب رجال ترجمہ ابو فروہ) جس "محله الصدق یکتب حدیثہ ولا یحتج بہ" کے وصف سے متصف راوی کو کچھ انکار جرح و تعديل نے متروک الحدیث اور لیس بشی و منکر الحدیث کہا ہو وہ جس حدیث کی روایت میں منفرد ہو وہ قطعاً ساقط الاعتبار ہے۔ موصوف ابو فروہ نے یہ حدیث زید بن ابن انیسہ سے نقل کی ہے اور امام ابن عدی نے کہا کہ "زوی عن زید بن ابی انیسہ نسخة تفرد بها عنه باحادیث وله عن غیر زید احادیث مسروقة عن الشيوخ وعامة حدیثہ غیر محفوظ" یعنی موصوف ابو فروہ نے زید بن ابی انیسہ سے ایک نسخہ احادیث کی روایت کر رکھی ہے جس کی نقل میں موصوف منفرد ہیں اور زید کے علاوہ دوسرے شیوخ و اساتذہ سے موصوف کی نقل کردہ روایات سرقہ کردہ ہیں اور موصوف کی عام روایات غیر محفوظ ہیں (تہذیب التہذیب) ظاہر ہے کہ متروک الحدیث و لیس بشی و منکر الحدیث کے وصف سے متصف جو راوی زید بن انیسہ سے روایت مذکورہ کی نقل میں منفرد ہے اس کی روایت مذکورہ قطعاً ساقط

الاعتبار ہے۔ امام ابن حبان نے موصوف کو کثیر الخطا اور ساقط الاعتبار کہا ہے
(المجروحین لابن حبان ج ۳ ص ۱۰۶)

اس کثیر الخطاء، متروک الحدیث، منکر الحدیث، لیس بھتہ راوی سے اس
حدیث کے راوی یحییٰ بن یعلیٰ ابوزکریا سلمیٰ قطوانی بھی سخت ضعیف و ساقط الاعتبار
ہیں۔

ترجمہ یحییٰ بن یعلیٰ سلمیٰ قطوان

یحییٰ بن یعلیٰ کو امام بخاری نے ”مضطرب الحدیث“ کہا۔ حافظ ابن حبان نے کہا
کہ ”یروی عن الثقات المقلوبات“ یعنی موصوف یحییٰ بن یعلیٰ ثقہ رواۃ کے حوالہ سے
الٹی پلٹی احادیث روایت کرتے ہیں (تہذیب التہذیب والنجرح و حین لابن حبان ترجمہ یحییٰ
بن یعلیٰ) امام ابن معین نے موصوف کو ”لیس بشی“ کہا (عام کتب رجال)
امام ذہبی نے موصوف کی روایت کردہ زیر نظر حدیث کو یحییٰ بن یعلیٰ کے
مناکیر میں شمار کیا ہے نیز اس کی صراحت کی ہے کہ اپنے جس استاذ ابو فروہ سے روایت
مذکور نقل کی ہے وہ ”تالف“ یعنی سخت ضعیف ہے (میزان الاعتدال ج ۴ ص ۴۱۵)
نیز امام ترمذی نے اس روایت کو غریب کہا ہے تو امام ذہبی نے بھی اسے ”صدق“ کہا
اور امام ترمذی کے موقف سے اپنی موافقت ظاہر کی۔

اس قدر سخت ضعیف و منکر ہونے کے باوصف روایت مذکورہ موقف
مذکور پر دلالت بھی نہیں کرتی کیونکہ اس میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ نماز جنازہ کی
دوسری تکبیروں میں رفع الیدین کی نفی نہیں کی گئی ہے اس لئے جب دوسری
مرفوع و موقوف روایات میں نماز جنازہ کی تمام تکبیروں میں رفع الیدین کے اثبات
کی صراحت ہے تو اس حدیث کو اثبات والی احادیث پر محمول کرنا لازم ہے تاکہ
احادیث صحیحہ سے اس کا معارض ہونا لازم نہ آنے والی احادیث معتبرہ و صحیحہ کے
ساتھ اس قسم کی روایات کی تطبیق و توفیق کا یہی طریقہ پسندیدہ اور بہتر ہے تاکہ

احادیث معتبرہ کے معارض ہونے کے باعث اسے رد و ساقط نہ قرار دینا پڑے کیونکہ احادیث معتبرہ کے معارض و خلاف روایت کو رد و ساقط قرار دینے پر تمام اہل علم متفق ہیں۔

حدیث مذکور میں منقول شدہ یہ بات کہ آپ ﷺ نے تکبیر تحریمہ کے بعد اس نماز جنازہ میں بائیں ہاتھ پر داهنا ہاتھ باندھ لیا دوسری احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ آپ ﷺ تکبیر تحریمہ کے بعد عام نمازوں میں سینے پر ہاتھ باندھا کرتے تھے لہذا اس حدیث کو انہیں احادیث صحیحہ پر محمول کیا جائے گا کہ آپ ﷺ نماز جنازہ میں بھی عام نمازوں کی طرح سینے پر دونوں ہاتھ باندھا کرتے تھے عام نمازوں میں تکبیر تحریمہ کے بعد سینے پر ہاتھ باندھنے سے متعلق احادیث صحیحہ و معتبرہ کی تفصیل جامع ترمذی کی شرح تحفۃ الاحوذی و عون المعبود (شرح سنن ابی داؤد اور کتاب الصلوۃ للعلامہ الالبانی و کتاب احکام الجنائز للعلامہ الالبانی میں تحقیق کے ساتھ موجود ہے۔ تحقیق پسند حضرات ان مراجع کی طرف رجوع کریں۔

الحاصل حضرت ابو ہریرہ کی طرف غلط طور پر منسوب ہو جانے والی زیر نظر روایت مذکورہ سند اور متن دونوں اعتبار سے موقف مذکور پر ذلیل قرار دئے جانے کے لائق نہیں ہے۔ البتہ ہماری پیش کردہ مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق روایت مذکورہ تکبیر تحریمہ کے علاوہ دوسری تکبیرات جنازہ میں رفع الیدین کے خلاف نہیں بلکہ اسے اس صورت میں تمام تکبیرات جنازہ میں اثبات رفع الیدین کے سلسلے میں وارد شدہ روایات کے موافق مانا جاسکتا ہے کہ اسے اثبات والی احادیث پر محمول کیا جائے۔

اس تفصیل کا ماحصل یہ ہوا کہ زیر نظر حدیث اس موقف کی دلیل نہ باعتبار سند ہے نہ باعتبار متن ہے کہ نماز جنازہ میں تکبیر تحریمہ کے بعد والی تکبیروں میں رفع الیدین مشروع نہیں لہذا اگر کوئی روایت موقف مذکور پر بالصراحت دلالت کرنے والی ہو بھی تو اس زیر نظر روایت کی اسے متابع و شاہد نہیں قرار دیا جاسکتا خواہ وہ روایت

باعتبار سند قوی و معتبر ہو خواہ ضعیف و غیر معتبر ہو مگر ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی معتبر روایت موقف مذکور پر دلالت کرنے والی موجود نہیں ہے اور اگر کوئی غیر معتبر روایت موجود بھی ہے تو زیر نظر حدیث ابی ہریرہ کو اس غیر معتبر روایت کی متابع نہیں کہا جاسکتا۔ اس کے باوصف ہم دیکھتے ہیں کہ عام احناف کی طرح مشہور حنفی عالم علامہ زیلعی نے ابو ہریرہ کی طرف منسوب اس روایت کو موقف مذکور پر دلیل سمجھ کر ایک دوسری ساقط الاعتبار روایت کو اس کا متابع قرار دے لیا۔ یہ روایت حضرت عبداللہ بن عباس کی طرف منسوب ہے اور علامہ زیلعی حنفی نے احادیث ہدایہ کی تخریج نصب الرایہ میں اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ :

نماز جنازہ میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ والی تکبیروں میں نفی رفع الیدین پر دلالت کرنے والی حدیث ابن عباس

” اخرج الدار قطنی فی سننه عن الفضل بن السکن ثنا ہمام بن یوسف ثنا معمر عن ابن طاؤس عن ابیہ عن ابن عباس أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یرفع یدیه علی الجنائزۃ فی اول تکبیرۃ ثم لا یعود انتہی سکت عنہ ولكن اعلمہ العقیلی بالفضل بن السکن وقال انه مجهول انتہی ولم اجده فی ضعفاء بن حبان“ یعنی دار قطنی نے اپنے سنن میں اپنی سند کے ساتھ ابن عباس سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ جنازہ کی پہلی تکبیر میں رفع الیدین کرتے تھے پھر نہیں کرتے تھے۔ اسے نقل کر کے دار قطنی نے سکوت اختیار کیا لیکن عقیلی نے اسے فضل بن السکن کے سبب معلول قرار دے کر کہا کہ یہ مجهول راوی ہے مگر میں نے فضل بن السکن کا ترجمہ ابن حبان کی کتاب الضعفاء میں نہیں پایا (نصب

ہم کہتے ہیں کہ فضل بن السکن کو امام عقیلی نے صرف مجہول کہنے پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ اسے غیر ضابطہ بھی کہا ہے نیز میزان الاعتدال و لسان المیزان میں اس کو اور فضل بن السکن القسطنطینی الاسود اور فضل بن سخیث کو ایک ہی راوی قرار دیا ہے اور کہا کہ اسے امام ابن معین نے کذاب و ملعون کہا ہے اس کی کنیت ابو العباس سندھی ہے (لسان المیزان ج ۴ ص ۴۴۱) ضعفاء ابن حبان میں اس کذاب راوی کا ذکر نہ ہونے سے کیسے لازم آیا کہ وہ غیر مجروح ہے جب کہ اسے ابن معین، عقیلی، ذہبی و ابن حجر عسقلانی نے کذاب قرار دیا ہے اور خاص طور سے زیلعی اور احناف کی زیر بحث مستدل روایت کو اس کے مناکیر و اکاذیب کی مثال میں پیش کیا ہے۔ اسے امام عبدالرزاق سے دعویٰ سماع تھا جبکہ ان سے اس کا سماع نہیں ہو سکا (لسان المیزان)

نماز جنازہ میں صرف بوقت تکبیر تحریمہ ہی رفع الیدین کے مشروع ہونے پر مذکورہ بالا دونوں ساقط الاعتبار روایات کے علاوہ کوئی بھی قابل ذکر اور لائق اعتبار دلیل نہیں ہے اس کے باوجود تحریمہ نماز جنازہ کے علاوہ باقی تکبیروں کے وقت رفع الیدین کو غیر مشروع کہنے والوں کا تحریمہ نماز جنازہ کے وقت رفع الیدین کو مشروع ماننا بھی ایک عجوبہ ہے۔ آخر کس دلیل شرعی کی بنا پر یہ لوگ تحریمہ نماز جنازہ کے وقت تورفع الیدین کی مشروعیت کے قائل ہو گئے مگر بقیہ تکبیروں میں قائل نہیں؟

علامہ ناصر الدین البانی کی بات پر بحث و نظر

علامہ ناصر الدین البانی نے لکھا ہے کہ :

” قلت لم نجد فی السنة ما يدل علی مشروعیة الرفع فی غیر التكبیرہ الاولی فلا نری مشروعیة ذلك وهو مذهب الحنفیة و غیرہم واختاره الشوکانی و غیرہ من المحققین والیہ ذهب ابن حزم فقال (۵/۱۲۸) واما رفع الایدی فانه لم یات عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه رفع فی شی من تکبیرة الجنائزة الا فی اول تکبیرة فقط فلا يجوز فعل ذلك لانه عمل فی

الصلوة لم يأت به نص وانما جاء عنه عليه السلام انه كبر ووقف يديه في كل خفض ورفع وليس فيها رفع وخفض " یعنی ہم کو سنت میں کوئی ایسی چیز نہیں مل سکی جو نماز جنازہ کی پہلی تکبیر کے علاوہ دوسری تکبیروں کے وقت رفع الیدین کی مشروعیت پر دلالت کرتی ہو لہذا ہم تحریمہ جنازہ کے علاوہ دوسری تکبیروں کے وقت رفع الیدین کی مشروعیت کے قائل نہیں اور احناف وغیرہم کا یہی مسلک و مذہب ہے اور محققین میں سے امام شوکانی وغیرہ نے اسی کو اختیار کیا ہے اور حافظ ابن حزم کا بھی یہی مذہب ہے چنانچہ انہوں نے محلی ج ۵ ص ۱۲۸ میں کہا کہ تحریمہ کے علاوہ نماز جنازہ کی دوسری تکبیروں کے وقت رفع الیدین کے ثبوت میں کوئی حدیث وارد نہیں صرف تحریمہ کے وقت ہی نماز جنازہ میں رفع الیدین کا ثبوت ہے لہذا تحریمہ کے علاوہ باقی تکبیروں میں رفع الیدین کرنا جائز نہیں کیونکہ نماز کے اندر یہ رفع الیدین ایک ایسا عمل ہے جس کے مشروع ہونے پر کوئی نص نہیں وارد ہے آپ ﷺ سے صرف یہ مروی ہے کہ نماز میں جھکنے اور اٹھتے وقت تکبیر کہہ کر رفع الیدین کرتے تھے اور نماز جنازہ میں جھکنے اور اٹھنے کی بات ہے نہیں ایک ایسا عمل ہے جس کے مشروع ہونے پر کوئی نص نہیں یعنی کہ صرف قیام اس نماز میں رہتا ہے رکوع سجدہ کے لئے جھکنا اور اٹھنا نہیں رہتا الخ " (حاشیہ احکام الجنائز للعلامة الألبانی ص ۱۱۶)

ہم کہتے ہیں کہ سنت سے نماز جنازہ کی تمام تکبیروں میں رفع الیدین کا ثبوت اور اس پر متعدد صحابہ و تابعین کا تعامل ہم نقل کر چکے ہیں۔ اتنی بات علامہ البانی نے تسلیم کی ہے کہ حضرت ابن عمر سے بسند صحیح مروی ہے کہ ان کا اپنا ذاتی عمل یہ تھا کہ نماز جنازہ کی ہر تکبیر پر رفع الیدین کرتے تھے لہذا جو لوگ یہ سمجھتے ہوں کہ ابن عمرؓ نبوی کے بغیر ایسا نہیں کرتے تھے انہیں اختیار ہے کہ وہ نماز جنازہ کی ہر تکبیر پر رفع الیدین کریں (حاشیہ احکام الجنائز ص ۱۱۷) ہم عرض کر چکے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ کا فعل مذکور عین فعل نبوی و سنت نبوی کے مطابق ہے اس لئے ابن عمرؓ کا فعل

(۹۹)

مذکور عین فعل نبوی و سنت نبوی کے مطابق ہے اس لئے ابن عمر کے فعل مذکور کو تو قیفی ماننا اور حکما مرفوع ماننا لازم ہے۔ اور ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ اس فعل ابن عمر کو علامہ البانی موصوف بذات خود بھی مرفوع حدیث کے حکم میں ہونے کو خارج از امکان نہیں سمجھتے بلکہ ایسا سمجھنے والوں پر انہیں کوئی اعتراض نہیں پھر بھی تعجب ہے کہ موصوف اس فعل کی مشروعیت کے قائل نہیں اور یہ بھی نہیں مانتے کہ اس کی مشروعیت پر کوئی دلیل شرعی موجود ہے حالانکہ ہماری پیش کردہ تفصیل میں اس کی مشروعیت پر دلیل شرعی بیان کر دی گئی ہے۔

نماز جنازہ کی ہر تکبیر پر رفع الیدین کے مسنون ہونے کے

قائل امام ابو حنیفہ بھی تھے

تحریمہ کے علاوہ نماز جنازہ کی تمام تکبیروں میں رفع الیدین کے غیر مشروع ہونے کی بات کو علامہ موصوف نے اپنی اس عبارت میں مطلقاً احناف و غیر ہم کا مذہب بتلایا ہے حالانکہ اپنی اسی عبارت میں ذرا سا آگے چل کر موصوف نے کہا ہے کہ کتب شراحین مذہب حنفیہ اور بلخ کے حنفی اماموں کا مذہب یہ بیان کیا گیا ہے کہ نماز جنازہ کی تمام تکبیروں میں رفع الیدین مشروع ہے۔

ہم عرض کر چکے ہیں کہ امام مالک کا بھی یہی مذہب ہے کہ نماز جنازہ کی تمام تکبیروں میں رفع الیدین کیا جائے اس کے خلاف امام مالک سے مروی شدہ قول اس لئے غیر مقبول ہے کہ قول حدیث نبوی سے مختلف ہے۔ امام شافعی، امام احمد، امام اسحاق بن راہویہ، امام ابن المبارک اور اکثر صحابہ و تابعین کا بھی یہی مسلک ہے اسے خود علامہ موصوف نے امام ترمذی کے حوالہ سے نقل کر رکھا ہے نیز امام ترمذی نے کہا ہے کہ صرف بعض ہی لوگ تحریمہ کے علاوہ نماز جنازہ کی تمام تکبیروں میں عدم رفع الیدین کے قائل ہیں (احکام الجنائز للعلامہ الالبانی) حافظ

ابن حزم کے حوالہ سے علامہ البانی نے جو یہ نقل کیا کہ تحریمہ کے علاوہ نماز جنازہ کی باقی تکبیروں کے وقت رفع الیدین کی بات حدیث نبوی میں منقول نہیں تو اس کا رد گذشتہ تفصیل میں آچکا ہے۔

حافظ ابن حزم کا یہ کہنا کہ ”سنت میں صرف خفض و رفع (جھکنے اور اٹھنے) کے وقت رفع الیدین کا ذکر ہے اور نماز جنازہ میں خفض و رفع نہیں صرف قیام ہی قیام ہوتا ہے اس لئے تحریمہ کے علاوہ باقی تکبیروں میں رفع الیدین غیر مشروع ہے“ کسی طرح بھی درست نہیں کیونکہ موصوف ابن حزم اور اس معاملہ میں ان کی موافقت کرنے والے تحریمہ کے وقت بہر حال رفع الیدین کے قائل ہیں اور تحریمہ کے وقت نہ خفض ہوتا ہے نہ رفع بلکہ قیام ہی قیام ہوتا ہے جب قیام کی حالت میں یہ حضرات بوقت تحریمہ رفع الیدین کے قائل ہیں تو قیام کی حالت میں نماز جنازہ کی باقی تکبیروں میں رفع الیدین کے قائل ہونے سے ان کے لئے کون سی چیز مانع ہے جب کہ حدیث نبوی سے باقی تکبیروں میں بھی رفع الیدین کا ثبوت ہے؟ بہت تعجب زمانہ حال کے احناف پر ہے کہ وہ امام ابو حنیفہ کی طرف منسوب اس قول و فتویٰ کو اس معاملہ میں ترک کئے ہوئے ہیں جو موافق سنت نبوی و مطابق سنت صحابہ و تابعین ہے مگر امام ابو حنیفہ کی طرف منسوب شدہ جو قول خلاف حدیث نبوی ہے اسے یہ لوگ معمول بہ بنائے ہوئے ہیں۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ خلاف حدیث نبوی والے قول کی حمایت اور موافق حدیث نبوی والے قول کی تردید میں یہ لوگ بڑے سرگرم عمل ہیں۔ فیا للجب.

اپنے مذہب و موقف کے موافق پائی جانے والی مکتوبہ روایات مقبول و معمول بہ قرار دے لینا اور ان کے بالمقابل احادیث صحیحہ کو نظر انداز کر دینا کوئی اچھا طور طریق نہیں ہے۔

امام شافعی اور امام ابن حزم کیا فرماتے ہیں؟

امام شافعی نے کتاب الاذان میں نماز جنازہ میں بوقت تکبیر رفع الیدین والی

(۱۰۱)

مرفوع حدیث نبوی کہہ کر معرض استدلال میں پیش کیا ہے اور عام اہل علم کا یہی مسلک بھی ہے اس کے بالمقابل نصب الراہیہ کے غالی حنفی حاشیہ نگار نے حقائق سے آنکھ بند کر کے حافظ ابن حزم سے نقل کیا کہ :

”والعجب من قول ابی حنیفہ یرفع الا یدی فی کل تکبیرۃ فی صلوۃ الجنازۃ ولم یات قط عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومنعہ فی سائر الصلوات وقد صح عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم “ یعنی ابو حنیفہ کی اس بات پر تعجب ہے کہ نماز جنازہ کی ہر تکبیر میں رفع الیدین کیا جائے حالانکہ نبی ﷺ سے قطعاً اس کے ثبوت میں کوئی حدیث نہیں وارد ہوئی ہے بایں ہمہ نماز جنازہ کی ہر تکبیر میں امام ابو حنیفہ نے تو رفع الیدین کو مشروع کیا مگر تمام دوسری نمازوں میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ رفع الیدین کو موصوف نے ممنوع قرار دیا ہے حالانکہ عام نمازوں میں رفع الیدین نبی ﷺ سے صحیح طور پر ثابت ہے وریں صورت موقف ابی حنیفہ ایک عجوبہ ہے “

حافظ ابن حزم کی یہ بات غالی مقلدین نے یہ ثابت کرنے کے لئے نقل کی ہے بتصریح ابن حزم نماز جنازہ کی ہر تکبیر میں رفع الیدین کا ثبوت حدیث نبوی میں نہیں ہے مگر اسی سانس میں حافظ ابن حزم کی تردید میں ان مقلدین نے مزید یہ بات کہی کہ :

” هذه النسبة منه اعجب “ یعنی نماز جنازہ کی تمام تکبیروں میں رفع الیدین کی مشروعیت کا امام ابو حنیفہ کی طرف امام ابن حزم کا منسوب کرنا اس سے بھی بڑا عجوبہ ہے “ (نصب الراہیہ کا حاشیہ ج ۲ ص ۲۸۵ نمبر ۳)

ہم کہتے ہیں کہ ایک ہی سانس میں حافظ ابن حزم کی ایک بات کو بطور دلیل پیش کرنے والے محشی کا ان کی دوسری بات کی تردید مقلدانہ ہتھکنڈوں میں سے ایک ہتھکنڈہ ہے جب بدعویٰ محشی امام ابو حنیفہ کی طرف حافظ ابن حزم کا انتساب مذکور غلط

ہے تو تکبیرات جنازہ میں رسول اللہ ﷺ سے رفع الیدین کے عدم ثبوت کے دعویٰ ابن حزم کو صحیح ماننا کیوں کر صحیح ہے جب کہ مرفوع حدیث میں اس کا ثبوت موجود ہے اور معنوی طور پر مرفوع کا حکم رکھنے والے آثار صحابہ و تابعین میں بھی اس کا ثبوت ہے؟ جہاں تک امام ابو حنیفہ کی طرف قول مذکور کے انتساب ابن حزم کا معاملہ ہے تو یہ معلوم ہے کہ عام امور میں امام ابو حنیفہ سے متضاد قسم کے اقوال منقول ہیں جن کی تفصیل ہماری کتاب اللمحات الی مافی انوار الباری من الظلمات میں ہے اس لئے بعید نہیں کہ امام ابو حنیفہ سے قول مذکور بسند معتبر حافظ ابن حزم کو ملا ہو۔ اور یہ بہت واضح بات ہے کہ کسی بڑے سے بڑے محدث پر بعض احادیث بنویہ مخفی رہ جاتی ہیں۔ فقہ حنفی کی شروح میں نماز جنازہ کی ہر تکبیر کے وقت رفع الیدین کی مشروعیت کو امام ابو حنیفہ کا مذہب بتلایا گیا ہے اور بہت سارے ائمہ احناف کا بھی یہی مذہب و مسلک ہے (شرح مبسوط للسرخسی ج ۲ ص ۲۸۵، احکام الجنائز للالبانی ۱۱۶ کا حاشیہ)

اگر حافظ ابن حزم کی نظر میں تکبیرات جنازہ میں رفع الیدین سے متعلق حدیث صحیح نہیں ہے تو ان سے کہیں مقدم اہل علم اسے صحیح مان کر اس پر عمل پیرا رہے ان میں سے متعدد صحابہ و تابعین بھی ہیں اور انہیں صحابہ و تابعین کے مطابق امام ابو حنیفہ کے استاذ الاساتذہ امام مالک کا بھی فتویٰ تھا جیسا کہ ہم عرض کر آئے ہیں۔ امام مالک کا امام ابو حنیفہ کا استاذ الاساتذہ ہونا للمحات میں مفصل طور پر بیان کیا گیا ہے۔

نماز جنازہ میں تکبیر تحریمہ کے بعد سے لے کر اختتام نماز تک بوقت تکبیر رفع الیدین کے علاوہ سینے پر ہاتھوں کا باندھنا مسنون ہے

یہ معلوم ہے کہ نماز جنازہ بھی عام نمازوں کی طرح ایک نماز ہے اس لئے

(۱۰۳)

نماز جنازہ کے مسائل و اعمال عام نمازوں کے مسائل و اعمال کی طرح ہوں گے اس کلیہ و عموم سے صرف وہی چیز مستثنیٰ و مختلف مانی جاسکتی ہے جس کے مستثنیٰ و مختلف ہونے پر شرعی دلیل ہو اس لئے چونکہ عام نمازوں میں تکبیر تحریمہ کے بعد بحالت قیام سینے پر دونوں ہاتھوں کا باندھے رکھنا اس طرح مشروع قرار دیا گیا ہے کہبائیں ہاتھ پردائے کورکھا جائے لہذا نماز جنازہ میں بھی ایسا ہی کرنا ہوگا صرف تکبیروں کے موقع پر رفع الیدین کرنا مسنون ہے کیونکہ نماز جنازہ میں سینے پر ہاتھ باندھنے کے غیر مشروع ہونے پر الگ سے کوئی دلیل نہیں ہے۔ اگرچہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ عام نمازوں کے لئے مذکورہ بالا کلیہ میں نماز جنازہ بھی شامل ہے مگر نماز جنازہ میں سینے پر ہاتھ باندھنے کے سلسلے میں خصوصی طور پر کوئی معتبر حدیث نبوی نہیں ملتی عام طور سے نماز جنازہ میں بھی اس طرح ہاتھ باندھنے کی مشروعیت کے ثبوت میں حضرت ابو ہریرہ سے مروی شدہ اس روایت کو پیش کیا جاتا ہے جس کا ذکر رفع الیدین کے سلسلے میں آچکا ہے مگر وہ روایت بہت زیادہ ضعیف اور ساقط الاعتبار و ناقابل عمل ہے۔ اس کے ضعیف ہونے کا اعتراف علامہ البانی کو بھی ہے (احکام الجنائز ص ۱۱۶، ۱۱۷) اس اعتراف کے ساتھ علامہ موصوف نے نماز جنازہ میں تکبیر تحریمہ کے بعد سینے پر ہاتھ باندھنے والی بات کو مسنون قرار دینے کے لئے عام نمازوں میں وارد شدہ حکم عام کو دلیل قرار دیا ہے اور اس عموم کی بنیاد پر حضرت ابو ہریرہ والی حدیث کو معنوی طور پر صحیح ماننا ہے مگر عام نمازوں میں تکبیر تحریمہ کے بعد دعائے ثنا اور دعائے استفتاح کا ثبوت موجود ہے جس کی تفصیل خود علامہ موصوف نے اپنی مختلف کتابوں میں پیش کی ہے لیکن عام نمازوں کے اس حکم عام کو موصوف نماز جنازہ کے لئے عام نہیں مانتے اور فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ میں ثنا و دعائے استفتاح مشروع نہیں (احکام الجنائز حاشیہ ص ۱۱۹)

حالانکہ نماز جنازہ کا بھی ایک نماز ہونا مسلم ہے تو عام نمازوں کے بالمقابل اس کے کسی معاملہ میں ثبوت استثناء کے بغیر دعویٰ استثناء ساقط الاعتبار ہے البتہ ثنا

ودعائے استفتاح بذات خود فرض و واجب نہیں اس لئے اسے کبھی کبھار ترک کر دینے میں کوئی مضائقہ نہیں خواہ نماز جنازہ ہو یا عام نمازوں میں سے فرض نمازیں ہوں یا مسنون و نوافل۔ اس بات کو ملحوظ رکھنا تمام اہل اسلام کو عموماً اور اہل حدیث کو خصوصاً بہت ضروری ہے اور اس سے بعض اشکالات بھی رفع ہو سکتے ہیں۔ فافہم و تدبر۔

نماز جنازہ میں دعائے ثنا و استفتاح

یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ نماز جنازہ بھی عام نمازوں کی طرح ایک نماز ہے۔ اس لئے عام نمازوں کے جو شرائط و ارکان، واجبات و مستثنیات و مستحبات اور مسائل ہیں وہ نماز جنازہ میں بھی ہیں اس عموم سے صرف وہی بات مستثنیٰ و خارج ہے جس کے لئے شرعی دلیل موجود ہے جیسا کہ عام نمازوں میں رکوع و سجدہ اور قعود ہوا کرتا ہے مگر نماز جنازہ میں رکوع و سجود و قعود نہیں ہے کیونکہ اس پر دلیل شرعی موجود ہے اور اس بات پر پوری امت کا اجماع بھی ہے۔ یہ معلوم ہے کہ عام نمازوں میں تکبیر تحریمہ کے بعد دعائے ثناء و دعائے استفتاح مسنون و مستحب ہے شریعت کے اس حکم عام سے نماز جنازہ کے لئے کوئی استثنائی حکم شرعی نہیں صادر ہوا ہے اس لئے نماز جنازہ میں بھی عام نمازوں کی طرح تکبیر تحریمہ کے بعد امام و مقتدی سبھی لوگوں کا سر ابلا جہر دعائے ثناء پڑھنا مسنون و مستحب ہے جیسا کہ ہم مذکورہ بالا تفصیل میں بتلا چکے ہیں۔

عام کتب احناف میں کہا گیا ہے نماز جنازہ دراصل میت کے لئے دعا ہے اسی بنا پر اس میں سورہ فاتحہ پڑھنا ضروری نہیں مگر انہیں لوگوں نے نماز جنازہ میں تحریمہ کے بعد دعائے ثناء پھر درود شریف پڑھنے کی مشروعیت پر دلیل دیتے ہوئے کہا کہ:

”والبداء بالثناء ثم بالصلوة لانها سنة الدعاء“ یعنی تحریمہ کے بعد نماز جنازہ میں دعائے ثناء پڑھنی چاہئے دعاء میں ثنا اور درود پڑھنے کی مشروعیت کے ثبوت میں تخریج احادیث ہدایہ نفس المراد منہ۔

کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی نما پڑھ چکے تو دعا کرتے وقت پہلے اللہ کی حمد و ثنا کرے پھر جو دعا چاہے سو کرے (نصب الراية ج ۲ ص ۲۷۲ بحوالہ ابو داؤد و نسائی و ترمذی و مستدرک حاکم بسند صحیح)

اگر دعا کے سلسلے میں وارد شدہ اس حکم عام میں نماز جنازہ کو شامل کر کے اس میں شخوانی کی مشروعیت کا دعویٰ احناف صحیح ہے تو عام نمازوں میں اس سورۃ فاتحہ کی مشروعیت کے حکم عام کی بنا پر نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ کی مشروعیت سے احناف کا انکار کرنا اور اس تفریق پر کوئی دلیل شرعی نہ پیش کرنا دوہری پالیسی اور مضطرب و متضاد روش کے علاوہ کیا ہے؟ خصوصاً اس صورت میں کہ نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کا شریعت نے حکم دیا ہے اور اس حکم شرعی پر ہمارے رسول ﷺ نے عمل کر کے دکھلایا بھی ہے جن کا ہمارے لئے اسوہ حسنہ اور قابل اتباع ہونا احناف کو بھی تسلیم ہے پھر اس فرمان شریعت اور اس کے مطابق عمل نبوی پر عمل کرنے میں طرح طرح کی نوع و بنوع حیلہ سازیوں کا استعمال کیونکر درست ہے؟ اس حکم شرعی پر عمل سے انحراف کرنے والوں کی حیلہ سازیوں کی قباحت و شناعة اس صورت میں اور بھی زیادہ بھیانک محسوس ہوتی ہے کہ میت کی نماز جنازہ میں شرعی فاتحہ خوانی تو یہ لوگ نہیں کرتے مگر اپنی ایجاد کردہ رسمی فاتحہ خوانی اور فاتحہ کے نام پر دعوت طعام اور اس کے لوازمات کے معاملہ میں بڑے سرگرم اور تازہ دم نظر آتے ہیں۔ کیا یہ دوہری اور دورخی پالیسی نہیں ہے؟ سنت پر عمل کے بجائے اختراعی بدعات کو دین قرار دیے لینا آخر کس قسم کی دین داری ہے؟

عام نمازیں تو اول سے لے کر آخر تک دعاؤں ہی پر مشتمل ہیں۔ سورۃ فاتحہ کے مختلف و متعدد ناموں میں سے ایک نام سورۃ الدعاء ہی ہے۔ اس حقیقت امر پر ہمارے برادران احناف کیوں توجہ نہیں دیتے؟ اور سورۃ فاتحہ کی قرأت کو عام نمازوں کی طرح نماز جنازہ میں بھی واجب نہیں مانتے؟

نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ

نماز جنازہ بھی عام نمازوں میں سے ایک نماز ہے البتہ اس میں رکوع و سجدہ نہیں ہوتا اور حدیث متواتر سے ثابت ہے کہ نماز میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے شریعت کے اس حکم عام سے صرف وہی نماز خارج و مستثنیٰ قرار دی جاسکتی ہے جس کے لئے شرعی دلیل موجود ہو مگر شریعت کے اس حکم عام سے نماز جنازہ کے مستثنیٰ و خارج ہونے پر کوئی بھی شرعی دلیل نہیں اس لئے نماز جنازہ میں بھی سورہ فاتحہ کا پڑھا جانا فرض ہے اس کے بغیر نماز جنازہ صحیح نہیں ہوگی نیز شریعت کے اس حکم کے علاوہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے کے لئے خصوصی طور پر بھی حکم دیا گیا ہے۔ میت کی تدفین کے بعد کسی خاص متعین وقت میں رسم فاتحہ کے نام پر دعوت طعام کا اہتمام کرنے والے بدعت پرست لوگوں کا عجیب حال ہے کہ وہ ایک طرف شریعت کے حکم کے بالکل خلاف نماز جنازہ میں فاتحہ پڑھنے کے زوادر نہیں دوسری طرف تدفین کے بعد رسم فاتحہ خوانی اور رسم فاتحہ کے نام پر دعوت طعام کی بدعت ایجاد کر کے بہت ساری دوسری بدعات بھی انجام دیتے اور اس طرح کی بدعت پرستی کے باوجود اپنے کو اہل سنت کہتے پھرتے ہیں۔ اسی قسم کے طور و طریق نے مسلمانوں کو قعر مذلت میں ڈال رکھا ہے۔ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھے جانے کے شرعی وجوب سے منحرف لوگوں نے ایک گل افشانی یہ کر رکھی ہے کہ نماز جنازہ کی پہلی تکبیر کے بعد دعائے شاد و سمری تکبیر کے بعد درود شریف پڑھنے کے ثبوت میں عام دعاؤں کے عموم والے حکم سے استدلال کرتے ہوئے خود ہی اپنا یہ اصول ظاہر کیا کہ عام نمازوں سے متعلق عمومی نصوص میں نماز جنازہ کے مسائل بھی شامل ہیں عام نمازوں سے متعلق عمومی نصوص سے بلا دلیل نماز جنازہ کے کسی مسئلہ کو مستثنیٰ نہیں کیا جاسکتا پھر اپنے ہی اصول کے خلاف ان لوگوں نے نماز جنازہ سے سورہ فاتحہ کے وجوب کو بلا دلیل زبر دستی خارج کر دیا۔ ظاہر ہے کہ یہ طریق عمل اصول پرستی کے خلاف ہے۔

نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کا حکم نبوی بروایت ام عقیف

امام طبرانی نے کہا کہ :

” حدثنا عبد الله بن احمد بن حنبل حدثني محمد بن ابي بكر
المقدمي وحدثنا علي بن عبد العزيز نا عاصم بن علي قالا حدثنا عبد المنعم
ابو سعيد الحراني الاسواري البصري عن الصلت بن دينار عن ابي عثمان
النهدى عن امرأة منهم يقال لها ام عفيف قالت بايعنا رسول الله صلى الله
عليه وسلم وأمرنا أن نقرأ على ميتنا بفاتحة الكتاب “ یعنی ام عقیف
نہدیہ صحابیہ سے مروی ہے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی تو آپ ﷺ نے
ہم کو حکم دیا کہ ہم اپنے مردوں کی نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھا کریں “ (المعجم الکبیر
للطبرانی ج ۲۵ ص ۸۶۱ و اصابہ ترجمہ ام عقیف و مجمع الزوائد ج ۳ ص ۳۲)

حضرت عقیف صحابیہ سے اس حدیث کے راوی ابو عثمان نہدی عبد الرحمان
بن مل متوفی ۹۸ھ مخضرم تابعی ہیں یعنی موصوف عہد نبوی میں قبول اسلام کے شرف
سے مشرف ہو گئے تھے مگر موصوف کا دیدار نبوی ثابت نہیں۔ موصوف ہختہ کار ثقہ
و ثبت راوی حدیث ہیں۔ موصوف ابو عثمان نہدی سے اس حدیث کے راوی صلت بن
دیناز دی ہنائی بصری ابو شعیب مجتوں مجروح و ساقط الاعتبار راوی ہیں۔ انہیں عام اہل
علم نے متروک قرار دیا ہے (میزان الاعتدال و تہذیب التہذیب و عام کتب رجال
ترجمہ صلت بن دینار) البتہ موصوف صلت کی روایت کردہ اس حدیث کی معنوی
متابعت کی گئی ہے اور اپنے معنوی متابع و شواہد کے اعتبار سے روایت مذکورہ معتبر و صحیح
قرار پاتی ہے۔

موصوف صلت بن دینار سے اسے روایت کرنے والے عبد المنعم ابو سعید بن
نعمیم بصری بھی اپنے شیخ ہی کی طرح متروک ہیں (میزان الاعتدال و تہذیب التہذیب
و عام کتب رجال ترجمہ عبد المنعم) مگر جیسا کہ ہم نے عرض کیا کہ اس روایت کے

معنوی متابع و شواہد ایسے ہیں جن سے یہ روایت معتبر قرار پاتی ہے۔ ابو سعید بصری سے اسے روایت کرنے والے دو حضرات عاصم بن علی و محمد بن ابی بکر مقدمی ہیں اور دونوں کے دونوں حضرات ثقہ و معتبر ہیں جیسا کہ عام کتب رجال میں صراحت ہے اور یہ دونوں حضرات اس روایت کی نقل میں ایک دوسرے کی متابعت کرنے والے بھی ہیں اور ان دونوں حضرات میں ایک صاحب عاصم بن علی سے اس کے راوی مشہور محدث علی بن عبدالعزیز ثقہ ہیں اور موصوف کئی کتابوں خاص طور پر ”مسند کبیر“ کے مصنف ہیں ضرور ہی موصوف نے اسے اپنی کتاب میں نقل کیا ہوگا۔ دوسرے صاحب محمد مقدمی سے اسے روایت کرنے والے امام احمد بن حنبل کے صاحب زادے امام عبداللہ مشہور و معروف ثقہ راوی اور امام حدیث ہیں مگر اس سند میں واقع دو راوی ابو سعید بصری اور صلت بن دینار کے ساقط الاعتبار ہونے کے باعث یہ روایت بہر حال اس سند کے ساتھ حجت نہیں ہے۔

نما جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کا حکم نبوی بروایت ام شریک

امام ابن ماجہ نے کہا ہے:

”حدثنا عمرو بن ابی عاصم و ابراهیم بن المنتشر قالا حدثنا ابو عاصم حدثنا حماد بن جعفر العبدی حدثنی شهر بن حوشب حدثنی ام شریک الانصاریۃ قالت امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أن نقرأ علی الجنائزۃ بفاتحة الكتاب“ (سنن ابن ماجہ حدیث نمبر ۱۳۹۶ ج ۱ ص ۹۷) و قال الطبرانی حدثنا محمد بن محمد الجذوعی القاصی ثنا عقبۃ بن مکرم العمی ثنا محمد بن موسیٰ ثنا حماد بن بشیر انا ابو عبد اللہ الشامی عن شهر بن حوشب عن ام شریک قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ علی الجنائزۃ بفاتحة الكتاب“ (معجم کبیر للطبرانی ج ۲۵ ص ۹۷ و نصب الراية ج ۲ ص ۲۷۰)

(۱۰۹)

حماد بن جعفر سے اس کے راوی ابو عاصم ضحاک بن مخلد نبیل عظیم المرتبت محدث اور ثقہ و بلند پایہ معتبر راوی ہیں اور موصوف نبیل سے اسے روایت کرنے والے دونوں حضرات عمرو بن ابو عاصم و ابراہیم بن محمد بن منتشر بلند پایہ ثقہ ہیں اور اس روایت کی نقل میں ایک دوسرے کی متابعت کر رہے ہیں۔ امام طبرانی کی روایت کے مطابق شہر بن حوشب سے اس کی نقل میں حماد بن جعفر کی متابعت ابو عبد اللہ الشامی مرزوق حمصی نے کر رکھی ہے موصوف مرزوق ابو عبد اللہ شامی حمصی ثقہ راوی ہیں اس طرح شہر سے دو ثقہ و معتبر رواۃ نے نقل کر رکھا ہے لہذا درجہ حسن سے ترقی کر کے یہ حدیث درجہ صحیح کو پہنچ جاتی ہے۔ مرزوق سے اسے نقل کرنے والے حماد بن بشیر تھمضی بھی ثقہ ہیں۔ حماد موصوف سے اس کے راوی محمد بن موسیٰ بن حماد بربری بغدادی متوفی ۲۹۴ھ صاحب تصانیف تھے ان پر خفیف سا کلام ہے (سیر اعلام النبلاء ج ۱۲ ص ۹۱ و تاریخ خطیب ج ۳ ص ۲۳۳ و میزان الاعتدال ج ۴ ص ۵۱ وغیرہ) امید غالب ہے کہ بربری موصوف کی کتاب سے یہ روایت لی گئی ہے۔ بربری سے اسے روایت کرنے والے عقبہ بن مکرم عمی متوفی ۲۵۰ھ ثقہ و صاحب کتاب ہیں اور امام طبرانی نے ظاہر ہے کہ ان کی کتاب ہی سے روایت یہ حدیث نقل کی ہے۔

زیر نظر حدیث ابن ماجہ اپنے متابع و شواہد سے مل کر معتبر و صحیح ہے اور اس بات کی دلیل صریح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کا حکم صادر فرمایا ہے اور اپنے اس حکم کے مطابق آپ ﷺ کا اپنا عمل بھی تھا جیسا کہ اوپر ہماری ذکر کردہ روایت طبرانی سے نیز آنے والے مباحث سے ظاہر ہے۔ یہ معلوم ہے کہ حکم نبوی عام اہل علم کے اصول سے وجوب پر دلالت کرتا ہے الا یہ کہ کوئی قرینہ صارفہ اسے دوسرے معنی کی طرف پھرنے والا موجود ہو اور یہاں کوئی قرینہ اس طرح کا نہیں ہے بلکہ مشہور و معروف متواتر المعنی حدیث نبوی ” لا صلوة الا بفاتحة الكتاب “ کے عموم سے بھی نماز جنازہ میں قرأت سورۃ فاتحہ کا واجب

و فرض اور رکن ہونا واضح ہے دریں صورت اتباع شریعت کا تقاضا ہے کہ ان نصوص کو ملحوظ رکھتے ہوئے نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا امام اور مقتدی سب کے لئے فرض مانا جائے۔

اس حدیث میں نیز اس معنی و مفہوم کی بعض دیگر احادیث میں اس حکم نبوی کا مخاطب خواتین کو بنایا گیا ہے جس سے یہ بات بھی مستفاد ہوتی ہے کہ عورتوں کو بھی نماز جنازہ پڑھنی چاہئے جس طرح کہ وہ عام نمازیں پڑھا کرتی ہیں البتہ یہ معلوم ہے کہ نماز جنازہ فرض کفایہ ہے اس لئے اگر مردوں کے پڑھ لینے کو کافی سمجھتے ہوئے عورتیں نماز جنازہ نہ پڑھیں تو انہیں اس کی پوری اجازت ہے۔

صحیحین میں مروی ہے حضرت سعد بن ابی وقاص کی نماز جنازہ امہات المؤمنین و خواتین نے پڑھی تھی نیز بعض دیگر دلائل سے بھی عورتوں کے لئے نماز جنازہ کی مشروعیت کا ثبوت ملتا ہے۔ عورتوں کے لئے نماز جنازہ کے مشروع ہونے والی بات خلاف نصوص ہونے کی بنا پر ساقط الاعتبار اور ناقابل التفات ہے۔

ہم اس سلسلے میں تذکرہ حدیث ام شریک میں بتلا آئے ہیں کہ ام شریک سے اس روایت کی نقل کرنے والے شہر بن حوشب سے دو رواۃ حماد بن جعفر اور مرزوق نے اس حدیث کو نقل کیا ہے یعنی کہ ان دونوں حضرات نے اسے نقل کرنے میں ایک دوسرے کی متابعت کر رکھی ہے۔ مگر یہی حدیث اسماء بنت یزید سے بھی مروی ہے جس کی سند سے معلوم ہوتا ہے کہ اسماء سے بھی یہ روایت شہر بن حوشب نے کر رکھی ہے اور شہر بن حوشب سے اسے مذکورہ بالا دونوں رواۃ میں سے حماد بن جعفر سے بالواسطہ بھی نقل کی ہے اور بلا واسطہ بھی اور ایسا بہت ہوتا ہے مناسب ہے کہ اس جگہ اسماء بنت یزید والی روایت مع سند و متن ناظرین کرام کی معلومات کے لئے نقل کر دی جائے۔

نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے کا حکم بروایت اسماء بنت یزید

امام طبرانی نے کہا کہ :

”حدثنا علي بن عبد العزيز حدثنا علي بن اسد العمري ثنا محمد

بن حمران ثنا مرزوق ابو عبد اللہ الشامی عن ابی جعفر (ہو حماد بن جعفر) عن شہر بن حوشب عن اسماء بنت یزید قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا صلیتم علی الجنائزۃ فاقروا بفافحة الكتاب " یعنی اسماء بنت یزید نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم نماز جنازہ پڑھو تو سورۃ فاتحہ پڑھو " (معجم کبیر للطبرانی حدیث نمبر ۴۱۳ ج ۲ ص ۱۶۲)

مذکورہ حدیث کی سند حسن اور قوی ہے یہ حسن و قوی حدیث اپنے متعدد متابع و شواہد سے مل کر درجہ صحیح کو پہنچ جاتی ہے امام طبرانی نے اسے اپنے استاذ علی بن عبد العزیز بن المرزبان بن شاہر بن یغوی بغوی المتوفی ۲۸۶ھ سے نقل کیا ہے جو مشہور و معروف ثقہ محدث ہیں ان کی متعدد تصانیف ہیں ان میں سے ایک تصنیف "المسند الکبیر" بھی ہے (ملاحظہ ہو سیر اعلام النبلاء و تذکرۃ الحفاظ مطبوعہ دار الکتب علمیہ بیروت لبنان ج ۲ ص ۶۲۲، ۶۲۳ میں موصوف بغوی کا ترجمہ نیز ملاحظہ ہو معجم المؤلفین ج ۷ ص ۱۲۴، الاعلام للزرکلی) موصوف بغوی کے کتنے اساتذہ وہ ہیں جو امام بخاری و مسلم اور ان کے ہم طبقہ لوگوں کے اساتذہ ہیں۔ یقین کی حد تک ظن غالب ہے کہ حدیث مذکور بغوی موصوف نے اپنی کتاب "المسند الکبیر" میں نقل کر رکھی ہوگی بہر حال موصوف کے مسند کبیر تک ہماری رسائی نہیں کہ مراجعت کر کے اس کا حوالہ دے سکیں۔

امام بغوی موصوف نے جس معالیٰ بن اسد العمی سے حدیث روایت کی ہے وہ صحیح بخاری و مسلم کے رواۃ میں سے ہیں (تہذیب التہذیب) ظاہر ہے کہ صحیح بخاری و مسلم کے راوی ہونے کے باعث موصوف ثقہ ہیں ان کی توثیق تمام علمائے جرح و تعدیل نے کر رکھی ہے۔ اس لئے اس سلسلے میں زیادہ تفصیل پیش کرنے کی کوئی حاجت نہیں ہے۔

معالیٰ موصوف نے یہ حدیث اپنے جس استاذ محمد بن حمران بن عبد العزیز ابو

عبدالقیسی البصری سے روایت کی ہے انہیں امام ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا اور امام ابو زرعمہ نے کہا ” محله الصدق “ ابو حاتم رازی نے ” صالح “ کہا۔ ابن عدی نے ” ما اری به باسا “ کہا (تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۱۱۰، ۱۱۱) اس کا حاصل یہ ہے کہ موصوف حسن الحدیث راوی ہیں۔ اس لئے موصوف محمد بن حمران کی نقل کردہ یہ روایت معتبر ہے۔ اور موصوف محمد بن حمران کی روایت کردہ اس حدیث کے بہت سارے معنوی شواہد و متابع بھی ہیں اس لئے یہ حدیث دراصل حسن سے درجہ صحیح کو پہنچ جاتی ہے۔

تنبیہ

امام بیہقی کے پاس معجم کبیر للطبرانی کا جو نسخہ تھا اس میں تصحیف کی وجہ سے محمد بن حمران کا نام ” معلی بن حمران “ لکھا ہوا تھا اور اس نام کے کسی راوی کا کوئی ذکر کتب رجال میں نہیں ہے مگر معجم کبیر کے مطبوعہ نسخہ میں تصحیف نہیں ہے اور اصل نام محمد بن حمران موجود ہے تہذیب التہذیب اور دوسری کتب رجال میں محمد بن حمران کو معلی بن اسد غمی کا استاذ اور مرزوق ابو عبد اللہ شامی کا شاگرد بتلایا گیا ہے مگر تصحیف والے نسخہ کی بنیاد پر امام بیہقی نے حدیث مذکور کی بابت کہا کہ :

” وفيه معلى بن حمران ولم اجد من ذكره وبقية رجاله موثقون وفي بعضهم كلام “ یعنی اس کی سند میں ایک راوی معلی بن حمران واقع ہیں جن کا ذکر کرنے والے کسی عالم جرح و تعدیل کو میں نہیں جان سکا باقی اس کے سبھی رواۃ موثق ہیں اگرچہ بعض میں کچھ کلام کیا گیا ہے “ (مجمع الزوائد ج ۳ ص ۳۲)

امام بیہقی کی مذکورہ بالا عبارت سے دھوکا ہو سکتا ہے کہ حدیث مذکور کی سند میں ایک راوی معلی بن حمران کا کتب رجال میں کوئی تذکرہ نہیں اس لئے وہ بمنزلہ مجہول ہیں مگر ہماری پیش کردہ مندرجہ بالا تفصیل سے واضح ہو گیا کہ راوی مذکور کا نام دراصل محمد بن حمران ہے جو معتبر اور حسن الحدیث راوی ہیں لہذا لوگ آگاہ رہیں کہ

امام بیہشتی کا کلام مذکور بے اثر ہے۔ محمد بن حمران نے یہ حدیث جس استاد سے روایت کی یعنی مرزوق ابو عبد اللہ شامی انہیں ابن معین نے ”لاباس بہ“ یعنی ثقہ کہا اور ابن حبان نے انہیں ثقات میں ذکر کیا (تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۷۹) حافظ ابن حجر نے تقریب میں میں موصوف کی بات لکھا کہ ”لاباس بہ من السادۃ“

مرزوق نے یہ حدیث اپنے جس استاد ابو جعفر حماد بن جعفر بھری سے روایت کی وہ بھی ثقہ ہیں ابن معین وابن حبان وابن شاہین نے انہیں ثقہ کہا ہے (تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۶)

ابو جعفر حماد بن جعفر نے اپنے جس شیخ شہر بن حوشب سے یہ روایت کیا ہے وہ مشہور تابعی ہیں اور ان کی احادیث صحیح مسلم کے رواۃ میں سے ہونے کے سبب بقول راجح موصوف معتبر راوی ہیں امام احمد نے انہیں ثقہ قرار دیکر کہا ”ما احسن حدیثہ روی عن اسماء احادیث حسنا“ یعنی موصوف کی روایت کردہ احسن ترین احادیث ہیں انہوں نے اسماء بنت یزید صحابیہ سے متعدد حسن احادیث روایت کی ہے امام بخاری نے بھی انہیں حسن الحدیث کہا اور ابن معین نے ثقہ کے ساتھ موصوف کو ”ثبت“ کہا جو بلند درجے کی توثیق ہے (تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۳۲۵)

شہر نے حدیث مذکور حضرت اسماء بنت یزید ہی سے نقل کیا ہے جس کا لازمی مطلب ہے کہ یہ حدیث امام احمد و بخاری و ابن معین کے نزدیک کم از کم حسن و معتبر ہے۔ اور معنوی طور پر یہ حدیث دوسرے طرق و اسانید سے بھی مروی ہے لہذا اور جہ صحیح کو پہنچ جاتی ہے۔

اپنے موافق مذبذب روایات کو دلیل و حجت بنانے کے عادی بعض تقلید پرستوں نے نصب الراية فی تخریج احادیث الہدایہ کے حاشیہ پر مذکورہ بالا حدیث کو نقل کر کے کہا کہ :

” قال ابن القيم فى الهدى يذكر عن النبى صلى الله عليه وسلم ان امر أن يقرأ على الجنائز بفاتحة الكتاب ولا يصح اسناده “ یعنی حافظ ابن قیم نے کہا حدیث مذکور کی سند صحیح نہیں “ (حاشیہ نصب الراية ج ۲ ص ۲۷۷)۔

بات دراصل یہ ہے کہ اکاذیب کو دین و مذہب قرار دے لینے والے ثابت شدہ حقائق کی تکذیب کے لئے سب کچھ کر سکتے ہیں حافظ ابن قیم کی نظر میں اگر ایک حدیث کی ضعیف سند غیر صحیح ہے مگر وہی حدیث دوسری معتبر صحیح سند سے اگر مروی ہے تو اسے کیونکر غیر صحیح کہا جاسکتا ہے نیز جو حدیث صحیح نہیں اس کا حسن ہونا بعید نہیں اور حسن حدیث بھی معتبر و حجت ہوتی ہے۔ نیز اس حدیث حسن کے معنوی متابع و شواہد بھی جن میں سے بعض کا ذکر آگے آ رہا ہے۔ ناظرین کرام منتظر رہیں۔

نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنے سے متعلق حدیث سہل بن حنیف

امام دارقطنی وغیر نے معتبر سند سے نقل کیا ہے کہ :

” عن عبید بن السباق قال صلی بنا سہل بن حنیف علی جنازۃ فلما کبر تکبیرۃ الاولی قرأ بام القرآن حتی اسمع من خلفہ ثم تابع تکبیرۃ حتی اذا بقیت تکبیرۃ واحدہ تشهد تشهد الصلوۃ ثم کبر وانصرف “ یعنی عبید بن السباق نے کہا کہ ہم کو حضرت سہل حنیف صحابی نے نماز جنازہ پڑھائی تو موصوف نے پہلی تکبیر یعنی تکبیر تحریمہ کے بعد سورۃ فاتحہ بالجہر پڑھی یہاں تک کہ موصوف کے ”مجھے نماز جنازہ پڑھنے والے جتنے مقتدی تھے سب نے ان کی اس جہری قرأت کو سنا پھر موصوف نے یکے بعد دیگرے دوسری تیسری تکبیریں کہیں حتی کہ جب آخری والی تکبیر باقی رہی تو اس میں نماز والا روڑ پڑھ کر موصوف نے تکبیر کہی اور نماز ختم کر کے سلام پھیر دیا (سنن دارقطنی ج ۱ ص ۱۹۱ و سنن بیہقی ج ۴ ص ۳۹ و

مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۹۷) اس حدیث کی سند معتبر ہے اور یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ سہل بن حنیف صحابی نے نماز جنازہ میں جو سورہ فاتحہ کی قرأت و تلاوت کی تھی اسے انہوں نے نماز جنازہ کے افعال میں سمجھ کر کیا تھا کیونکہ اصل یہ ہے کہ ہر صحابی کے بارے میں یہ عقیدہ رکھا جائے کہ عبادت اور اس نوع کی تمام چیزوں سے متعلق جو کام بھی وہ انجام دے وہ اس نے اپنی دانست میں حکم شرعی کے مطابق انجام دیا ہے اس اصل سے صرف اسی صورت میں عدول جائز ہے کہ معتبر اور صحیح دلیل سے ثابت ہو جائے کہ فلاں کام صحابی سے نص شرعی کے خلاف سرزد ہو گیا ہے۔ اور یہاں معاملہ یہ ہے کہ اس اصل کے خلاف نص شرعی نہیں بلکہ نص اس بات پر موجود ہے کہ صحابی مذکور سہل بن حنیف کا یہ عمل فرمان شریعت کے مطابق صادر ہوا تھا لہذا یہ حدیث معنوی طور پر مرفوع حکمی ہے۔

اس حدیث سے ایک طرف جہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے کا حکم شریعت نے دے رکھا ہے اسی شرعی حکم کی تعمیل کرتے ہوئے حضرت سہل بن حنیف نے نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھی وہیں دوسری طرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ سورہ فاتحہ تکبیر تحریمہ کے بعد ہی دوسری تکبیر سے پہلے پڑھنی چاہئے تیسری طرف سے معلوم ہوا کہ حضرت سہل نے نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ جہر کے ساتھ پڑھی تھی اس لئے امام کے لئے نماز جنازہ میں جہر ہی کے ساتھ سورہ فاتحہ کا پڑھنا تفصیل مذکور کے مطابق مسنون و مشروع ہے۔

نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے سے متعلق حدیث ابن عباس

امام طبرانی نے کہا:

”حدثنا عبد الرحمن بن سلمة الرازي ثنا سليم بن منصور بن عمار

ثنا يحيى بن يزيد بن عبد الملك بن المغيرة النوفلي حدثني عيسى بن سبرة

ابو عبادة الزرقبي عن الزهري عن عبيد الله بن عبد الله بن عتبة عن ابن

عباس قال أتى بجنائز سهل بن عتيك وكان أول من صلى عليه في موضع الجنائز فتقدم رسول الله صلى الله عليه وسلم فصلی وكبر فقرا بام القرآن فجهر بها ثم كبر الثانية وصلى على نفسه وعلى المرسلين ثم كبر الثالثة فدعا للميت الى أن قال ثم كبر الرابعة فدعا للمؤمنين ثم سلم .. یعنی حضرت عبداللہ بن عباس نے کہا کہ مدینہ منورہ میں نماز جنازہ پڑھی جانے والی جگہ میں سب سے پہلے نماز جنازہ سهل بن عتيك پر پڑھی گئی موصوف ابن عتيك کا جنازہ جب مقام مذکور پر خدمت نبوی میں لایا گیا تو آپ ﷺ ان کی نماز جنازہ پڑھانے کے لئے آگے بڑھے اور ان کی نماز آپ ﷺ نے پڑھائی چنانچہ تحریمہ کہہ کر آپ ﷺ نے بالجہر سورہ فاتحہ پڑھی پھر آپ ﷺ نے دوسری تکبیر کہہ کر اپنے اوپر اور تمام رسولوں پر درود پڑھا پھر تیسری تکبیر کہہ کر آپ ﷺ نے مومنوں کے لئے دعا کی اور سلام بھیر دیا (معجم اوسط للطبرانی ج ۱ ص ۲۹۱ و کتاب الدعاء للطبرانی ج ۳ ص ۱۳۵۸ حدیث نمبر ۱۱۹۰، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۳۲، ۳۳)۔

مذکورہ بالا حدیث امام ابن مندہ نے طبرانی والی سند کے علاوہ دوسری سند سے اپنی کتاب معرفۃ الصحابہ میں روایت کی ہے مگر یہ سند بھی یحییٰ بن یزید بن عبد الملک سے جا کر مل جاتی ہے (اصابہ لابن حجر ج ۲ ص ۸۸ و ۸۹) معلوم ہوتا ہے کہ یحییٰ بن یزید تک اس حدیث کی سند میں ایک دوسرے سے مل کر معتبر ہو جاتی ہیں مگر یحییٰ بن یزید نو فلی بذات خود اہل علم کے یہاں مختلف فیہ ہیں۔ امام ابو ذر عہ رازی و امام احمد بن حنبل نے موصوف کو ”لاباس بہ“ کہا (لسان المیزان ترجمہ یحییٰ بن یزید نو فلی) اور یہ لفظ کلمات توثیق میں سے ہے۔ امام ابن معین نے بھی موصوف کی بات ”لاباس بہ“ کہا ہے (لسان المیزان ترجمہ یحییٰ) ان چاروں اماموں یعنی ابن معین و ابو ذر عہ و احمد بن حنبل وغیرہ کی اس توثیق کے بالمقابل ابن معین سے معاویہ بن صالح نے یحییٰ بن یزید موصوف کی بات ”لیس حدیثہ بذاک“ کا قول نقل کیا مگر اولاً موصوف یحییٰ بن یزید کی

(۱۱۷)

بابت ابن معین سے مروی شدہ یہ قول۔ یحییٰ نو فلی کی بابت ابن معین سے مروی اس قول کے معارض ہے جو مذکورہ بال تینوں اماموں کے موافق ہے اس لئے ان اماموں کے معارض ابن معین کا جو قول ہے وہ قابل قبول ہے اور جو موافق ہے وہ غیر مقبول ہے یا پھر دونوں کو باہم متعارض مان کر دونوں کو ساقط الاعتبار قرار دیا جائے دریں صورت ابن معین کی توثیق و تخریج دونوں کا عدم ہو جاتی ہے اور باقی تینوں اماموں کی توثیق برقرار رہتی ہے ثانیاً موصوف۔ یحییٰ نفیلی کی بابت ابن معین سے مروی شدہ تخریج والا قول جرح مبہم و مجمل اور غیر معتبر ہے اور جرح مبہم ثابت شدہ توثیق کے بالمقابل کا عدم ہوا کرتی ہے لہذا موصوف۔ یحییٰ نفیلی کا ثقہ ہونا برقرار رہتا ہے ثالثاً ابن معین سے نفیلی کی بابت مروی شدہ ظاہر الاختلاف دونوں باتوں کے درمیان تطبیق دیتے ہوئے کہا جائے کہ موصوف بلند درجے کے ثقہ ہونے کے بجائے اوسط درجہ کے ثقہ ہیں دریں صورت موصوف کی روایت کردہ حدیث مصطلح ”صحیح“ ہونے کی بجائے ”حسن“ قرار پائے گی اور ”حدیث حسن“ بھی حجت و معتبر ہوا کرتی ہے جب کہ وہ احادیث صحیحہ کے معارض نہ ہو۔

ان متقدمین کی توثیق نفیلی کے بالمقابل متاخر امام ابن عدی نے نفیلی کی بابت ”الضعف علی حدیثہ بین“ کہا (میزان الاعتدال ترجمہ یحییٰ نفیلی) اور یہ معلوم ہے کہ عام متقدم اہل علم کے بالمقابل متاخر کی تخریج کا اعتبار نہیں اگر اعتبار ہوگا تو اس قدر کہ موصوف نفیلی کو بلند پایہ ثقہ ماننے کے بجائے اوسط درجہ کا ثقہ مانا جائے گا۔ دریں صورت موصوف۔ نفیلی کی روایت کردہ حدیث کا معتبر و قابل حجت ہونا ظاہر ہے۔ اس کا حاصل یہ ہوا کہ نفیلی کی روایت کردہ حدیث کا معتبر و قابل حجت ہونا ظاہر ہے۔ اس کا حاصل یہ ہوا کہ نفیلی تک اس روایت کی سند معتبر ہے مگر نفیلی موصوف نے یہ حدیث جس ابو عبادہ عیسیٰ بن سبرۃ زرقی سے نقل کی ہے اور انہیں عیسیٰ بن عبدالرحمن بن فروہ انصاری زرقی مدنی کہا جاتا ہے وہ ضعیف و غیر معتبر و منکر

الحديث و متروک ہیں (تہذیب التہذیب ترجمہ عیسیٰ بن عبد الرحمن ابو عبادہ زرقی) لہذا اس سند کے راوی موصوف زرقی کے سبب یہ روایت اس سند کے ساتھ ساتھ الاعتبار ہے مگر اس حدیث کے معنوی متابع و شواہد ہیں جن سے یہ حدیث صحیح و معتبر قرار پاتی ہے۔ ابو عبادہ کے بعد والی سند کے رواۃ ثقہ و معتبر ہیں اور ابو عبادہ کے معنوی متابع و شواہد موجود ہیں۔ ابن عباس سے دوسری سندوں کے ساتھ بھی یہ حدیث مروی ہے اور ان سندوں کے مجموعہ سے مستخرج ہوتا ہے کہ یہ حدیث معتبر ہے۔

اس روایت سے متعدد مسائل مستفاد ہوتے ہیں (۱) کھل بن عتیک رضی اللہ عنہ صحابی کی وفات سے پہلے نماز جنازہ پڑھنے کے لئے کوئی خاص جگہ مقرر اور متعین نہیں تھی اس لئے اس مقام خاص کی تعیین سے پہلے جہاں کہیں مناسب معلوم ہوتا موقع کی مناسبت سے نماز جنازہ پڑھ لی جایا کرتی تھی مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس تعیین کے بعد دوسری جگہ کسی کی نماز جنازہ عہد نبوی میں پڑھی ہی نہیں گئی کیونکہ ازواج مطہرات اور ان کے ساتھ دوسری خواتین عام طور سے مسجد نبوی میں نماز جنازہ پڑھ لیا کرتی تھیں۔ (۲) نماز جنازہ میں آپ ﷺ چار تکبیریں کہا کرتے تھے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس سے زیادہ تکبیریں آپ ﷺ کبھی نماز جنازہ میں کہتے ہی نہیں تھے البتہ عام طور سے زیادہ تر یہی ثابت ہے کہ آپ ﷺ چار تکبیریں کہا کرتے تھے لیکن یہ بھی ثابت ہے کہ کبھی کبھار آپ ﷺ ان سے زیادہ تکبیریں بھی کہتے تھے۔ (۳) تکبیر تحریمہ کے بعد اور دوسری تکبیر کے پہلے یعنی ابتدائی دو تکبیروں کے درمیان آپ ﷺ نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھا کرتے تھے اور یہ بات دوسری معتبر روایات سے ثابت ہے لہذا متعین طور پر سورۃ فاتحہ تکبیر تحریمہ کے بعد دوسری تکبیر سے پہلے پڑھنا چاہئے اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ آپ نماز جنازہ میں تکبیر تحریمہ کے بعد صرف قرأت فاتحہ پر اکتفا کرتے تھے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ ﷺ سورۃ فاتحہ کے ساتھ مزید کوئی دوسری سورہ نہیں تلاوت کرتے تھے اگرچہ صرف سورہ

فاتحہ پر اکتفا کرنا کافی ہے مگر چونکہ دوسری معتبر روایات سے مزید دوسری سورہ کا ملانا ثابت ہے اس لئے مزید دوسری سورہ کا نماز جنازہ میں ملا لینا سنت ہے (۴) سورہ فاتحہ کی قرأت امام جہر کے ساتھ کرتے اور یہ بات دوسری روایات معتبرہ سے ثابت ہے اور اس حدیث کے سیاق سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ سورہ فاتحہ کے علاوہ نماز جنازہ میں درود اور دعائے مغفرت بالجہر کرتے تھے اور دوسری روایت سے بھی اس کا ثبوت ہے جیسا کہ تفصیل آرہی ہے (۴) سورہ فاتحہ سے فارغ ہونے کے بعد دوسری تکبیر کہہ کر آپ ﷺ درود شریف پڑھا کرتے تھے اور یہ بات دوسری روایات معتبرہ سے بھی ثابت ہے صرف بعض غیر روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ دوسری تکبیر کے بعد آپ ﷺ دعائیں پڑھا کرتے تھے (۵) درود سے فارغ ہو کر آپ ﷺ تیسری تکبیر کہتے اور اس میں میت کے لئے دعا کرتے تھے اور یہ بات دوسری معتبر روایات سے ثابت ہے (۶) دعائے میت سے فارغ ہو کر آپ ﷺ چوتھی تکبیر کہتے اور اس میں آپ ﷺ مومنین کے لئے دعا کرتے مگر عام روایات میں اس کا ذکر نہیں ملتا کہ اگر آپ ﷺ نماز جنازہ میں چار تکبیروں ہی پر اکتفا کرتے تو چوتھی تکبیر کے بعد مومنین کے حق میں دعا کرتے پھر سلام پھیرنا آپ کا معمول تھا مگر اس میں صراحت نہیں کہ آپ ﷺ بالجہر سلام پھیرتے یا بالسر اور دونوں طرف سلام پھیرتے تھے اور چونکہ یہ حدیث تنہا سند مذکور کے ساتھ ساقط الاعتبار ہے اس لئے چوتھی تکبیر کے بعد الگ سے مومنین کے لئے دعا پڑھے بغیر سلام پھیر دینا چاہئے چوتھی تکبیر سے پہلے تیسری تکبیر کے بعد جو دعائیں آپ ﷺ سے منقول ہیں ان میں میت کے ساتھ عام مومنین کے لئے بھی دعا کی جاتی ہے اس لئے الگ سے چوتھی تکبیر کے بعد عام مومنین کے لئے دعا پڑھنی صحیح نہیں (۷) چوتھی تکبیر کے بعد دونوں طرف سلام پھیرتے تھے یا ایک ہی طرف۔ ہمارے نزدیک معتبر روایات کی بنا پر امام کو بالجہر دونوں طرف سلام پھیرنا چاہئے ہاں اگر صرف ایک سلام پر بھی اکتفا کرے تو جائز ہے مگر اصل سنت اور

(۱۲۰)

بہتر طریقہ دو سلام ہی کا ہے۔ (۸) سلام پھیرنے کے بعد نماز جنازہ پڑھنے کی جگہ پر الگ سے مزید دعا آپ ﷺ نے نہیں پڑھی کسی روایت سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے اور ثبوت کے بغیر کسی قسم کی عبادت درست نہیں کیونکہ عبادت تو فیقی چیز ہے اور دعا عبادت ہے۔

اب ہم مذکورہ بالا حدیث ابن عباس کے مزید متابع و شواہد کا ذکر کرنا چاہتے ہیں ناظرین کرام توجہ سے مطالعہ فرمائیں۔

نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے سے متعلق حدیث جابر

بن عبد اللہ

امام حاکم نے کہا کہ:

”حدثنا ابو العباس محمد بن يعقوب انا الربيع بن سليمان انبانا الشافعي ثنا ابراهيم بن ابي يحيى ثنا عبد الله بن محمد بن عقيل عن جابر بن عبد الله الانصاري قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يكبر على جنازتنا اربعا ويقرأ بفاتحة الكتاب في التكبيرة الاولى “ یعنی حضرت جابر بن عبد اللہ صحابی نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے جنازوں پر نماز پڑھتے وقت چار تکبیریں کہتے تھے اور پہلی تکبیر کے بعد سورہ فاتحہ پڑھا کرتے تھے “ (مستدرک حاکم ج ۱ ص ۳۵۸ و سنن بیہقی وغیرہ) مذکورہ بالا حدیث کے ایک راوی ابراہیم بن ابی یحییٰ پر کلام ہے اور موصوف بقول رائج ساقط الاعتبار ہیں اگرچہ بہت سے اماموں نے موصوف کی تعدیل و توثیق بھی کی ہے موصوف کا صدوق ہونا واضح ہے مگر غیر معتبر ہونا بھی مسلم ہے مگر موصوف کی معنوی متابعت موجود ہے اس لئے اپنے معنوی متابع و شواہد سے مل کر یہ حدیث صحیح و معتبر قرار پاتی ہے۔ اس حدیث پر امام ذہبیؒ نے تلخیص مستدرک میں کوئی کلام نہیں کیا ظاہر ہے کہ شواہد و متابع کے پیش نظر انہوں

(۱۲۱)

نے کلام نہیں کیا ہے۔ اس حدیث کا مفاد یہ بھی ہے کہ پہلی تکبیر کے بعد سورہ فاتحہ متعین ہے اور پہلی تکبیر کے بعد سورہ فاتحہ پڑھنے کی تعین ابو امامہ باہلی والی حدیث صحیح میں بھی وارد ہوئی ہے۔

نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے سے متعلق حدیث ابو امامہ

مختلف و متعدد اسانید و طرق سے مروی ہے کہ امام زہری نے کہا کہ :

” سمعت ابا امامة يحدث سعيد بن المسيب قال السنة في الصلوة على الجنائز أن تكبر ثم تقرأ بام القرآن ثم تصلي على النبي صلى الله عليه وسلم ثم تخلص الدعاء للميت ولا تقرأ الا في التكبيرة الاولى “ یعنی حضرت ابو امامہ سعید بن المسیب سے حدیث بیان کرتے ہوئے فرما رہے تھے کہ نماز جنازہ میں سنت یہ ہے کہ تم پہلی مرتبہ تکبیر تحریمہ کے بعد سورہ فاتحہ پڑھو اس کے بعد دوسری تکبیر میں رسول اللہ ﷺ پر درود پڑھو پھر تیسری تکبیر میں میت کے لئے خالص طور پر دعا کرو اور تم سورہ فاتحہ صرف تکبیر تحریمہ کے بعد ہی پڑھو اس کا خاص خیال رکھنا“ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۱۱، المنشی لابن الجارود ص ۲۶۵، قاضی اسماعیل کتاب الصلوة علی النبی ص ۹۶، ۹۷، قال الحافظ فی فتح الباری ج ۳ ص ۲۰۴ اسنادہ صحیح)

مذکورہ بالا حدیث اپنے مکمل منقول شدہ حدیث جابر کی معنوی متابع و شاہد ہے۔ اپنے بیان میں ابو امامہ نے جو یہ کہا کہ یہ سنت ہے کہ تکبیر تحریمہ کے بعد نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھو تو اس کا مقصد سورہ فاتحہ کا نماز جنازہ میں پڑھنے کا محل متعین کرنا ہے اور لفظ سنت سے موصوف کی مراد دستور و قانون ہے نہ کہ فرض کے بالمقابل سنت والی اصطلاح مراد ہے کیونکہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ نماز جنازہ سمیت نمازوں میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض اور رکن ہے۔

واضح رہے کہ ابو امامہ صحابی سے مراد اسعد بن سہل بن حنیف انصاری ہیں جو صحابہ میں سے ہیں۔ موصوف عام طور پر کبار صحابہ کرام کے واسطے سے احادیث

(۱۲۲)

نبویہ بیان کرتے ہیں اور نبی ﷺ سے بلا واسطہ موصوف کی روایت مرسل ہوا کرتی ہے البتہ صحابہ کی مرسل روایت بالاتفاق حجت ہے اور جب کوئی صحابی کسی بات کو سنت کہہ کر بیان کرے تو عام اہل علم کہتے ہیں کہ وہ مرفوع حدیث نبوی ہے یعنی کہ معنوی طور پر حدیث نبوی ہے۔ اس کی سند صحیح ہے اس لئے یہ اس سلسلے میں وارد شدہ دوسری روایات کی قوی متابع و شاہد ہے۔

چونکہ ابوامامہ موصوف صحابہ میں سے ہیں اور عام طور سے صحابہ کے واسطہ سے احادیث روایت کرتے ہیں اس لئے دوسری سندوں کے ساتھ منقول ہے کہ حدیث مذکور موصوف نے ”رجال من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم“ سے روایت کی ہے (اصابہ ج ۲ ص ۸۹)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوامامہ صحابی نے یہ حدیث کئی صحابہ سے روایت کی ہے۔ بعض روایات میں ”رجل من اصحاب النبی ﷺ“ کا لفظ آیا ہوا ہے اور دونوں میں کوئی معنوی اختلاف نہیں کیونکہ جو حدیث راوی متعدد افراد سے سنے ہوتا ہے وہ کہہ سکتا ہے کہ میں نے فلاں شخص واحد سے یا ایک شخص سے سنا ہے اور اسے وہ یوں بھی کہہ سکتا ہے کہ میں نے متعدد افراد سے اسکو سنا ہے۔

بہر حال ابوامامہ کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ حدیث مذکور کو معنوی طور پر رسول اللہ ﷺ سے متعدد صحابہ بیان کرتے تھے اور ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ اب تک ہم متعدد صحابہ سے حدیث مذکور کو سند و متن کے ساتھ نقل کر چکے ہیں اور آئندہ بھی اس کا سلسلہ جاری رہے گا یعنی ام عقیف، ام شریک، اسماع بنت یزید، عبد اللہ بن عباس، جابر بن عبد اللہ، ابوامامہ اور معلوم ہوتا ہے کہ حدیث مذکور حضرت ابوامامہ صدی بن عجلان باہلی سہل بن حنیف جیسے معروف صحابی سے بھی مروی ہے بعض روایات اور کتب حدیث میں اس کی صراحت نظر آتی ہے۔

(۱۲۳)

نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے سے متعلق حدیث ضحاک بن قیس

حافظ ابن حزم اور دوسرے کئی محدثین نے بسند صحیح ابو امامہ اور ضحاک بن قیس دونوں سے نقل کیا کہ :

” السنة في الصلوة على الجنازة ان يقرأ في التكبيرة الاولى مخافتة ثم يكبروا لتسليم عند الآخرة وعن سلمة بن نبيط عن الضحاک بن قیس قال یقرأ ما بین التکبیر تین الاولین فاتحة الكتاب “ یعنی ان دونوں صحابہ (ابو امامہ اور ضحاک بن قیس) نے کہا کہ نماز جنازہ میں سنت یہ ہے کہ پہلی تکبیر مراد تکبیر تحریمہ کے بعد اور دوسری تکبیر کے پہلے یعنی دونوں ابتدائی تکبیروں کے درمیان سورہ فاتحہ پڑھی جائے یا آواز آہستہ پھر تکبیر کہی جائے اور سلام آخری تکبیر مراد چوتھی تکبیر کے ساتھ پھیرا جائے “ (المحلی لابن حزم ج ۵ ص ۹۲ و ارواء الغلیل للالبانی ج ۳ ص ۱۲ و کتاب الدعاء للطبرانی، مصنف عبد الرزاق ج ۳ ص ۸۹، سنن نسائی ج ۴ ص ۷۵، و مسند شافعی ج ۱ ص ۲۱۰، سنن بیہقی ج ۴ ص ۳۹ وغیرہ)

نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے سے متعلق حدیث حبیب بن مسلمہ

ام بیہقی وغیرہ نے بسند صحیح حضرت حبیب بن مسلمہ صحابی سے مذکورہ بالا معنی و مفہوم کی حدیث نقل کی ہے (عون المعبود و التعلیق المغنی) اور ان سب کا حاصل یہ ہے کہ بہت سارے صحابہ نے یہ حدیث نبوی نقل کی ہے اور اسی کے مطابق ان کا عمل بھی تھا کہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا چاہئے اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ تواتر معنوی کے ساتھ یہ حدیث نبوی مروی و منقول ہے کہ نماز جنازہ میں

دیگر نمازوں کی طرح سورہ فاتحہ پڑھی جائے۔ اس ثابت شدہ فرمان نبوی کے مطابق ظاہر ہے کہ عام صحابہ اور ان کے بعد آنے والے اسلاف کا عمل رہا اس فرمان نبوی سے صرف انہیں بعض اسلاف کا اختلاف ممکن ہے جو کسی بھی وجہ سے اس فرمان نبوی سے باخبر نہیں ہو سکے اور ان پر کسی قسم کا عذر اس حدیث پر عمل کرنے سے مانع رہا۔ کسی حکم شرعی کا علم نہ ہونے یا کسی بھی معقول عذر کے سبب سلف میں سے کسی کا اس کے خلاف عمل صادر ہو جانادوسروں کے لئے خلاف شرع عمل کیلئے حجت و دلیل نہیں ہو سکتا جن کو اس حکم شرعی کا علم ہو جائے ان کے لئے کوئی بھی عذر مسموع نہیں بلکہ یہ قابل مواخذہ غلطی ہوگی۔

اب ہم بعض ایسی روایات صحیحہ نقل کرتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وفات نبوی کے بعد عام صحابہ متفقہ طور پر بالا جماع نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے کے قائل تھے اور اس سلسلے میں وہ فرمان نبوی پر پوری طرح کاربند تھے۔ ناظرین کرام آنے والے مباحث کو توجہ اور دھیان سے اس عقیدت کے ساتھ پڑھیں کہ جس نبی اور جن اسلاف کی محبت کا ہم دم بھرتے ہیں ان سے جس مسئلہ میں جس طرح کی بات منقول و مروی ہو ہم کو اسی پر کاربند ہونا چاہئے۔ سچی عقیدت و محبت کا یہی تقاضا ہے۔

واضح رہے کہ ضحاک بن قیس فہری صغار صحابہ میں سے ہیں اور اس بات پر تمام لوگوں کا تقریباً اجماع ہے کہ صحابی خواہ صغیر ہو یا کبیر اگر وہ کسی بات کو سنت کہتا ہے تو اس کی بیان کردہ بات حدیث نبوی کے حکم میں ہے۔ موصوف ضحاکؓ ۶۲ھ میں مقتول ہوئے تھے۔ اسی طرح حبیب بن مسلمہ بھی صغار صحابہ میں سے ہیں دونوں کے تراجم اصحابہ و تہذیب التہذیب اور عام کتب رجال میں مذکور ہیں۔

خلیفہ راشد و صدیق اکبر و عمر فاروق کی نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھی گئی

امام ابو بکر بن ابی شیبہ نے کہا کہ :

”حدثنا يحيى بن آدم عن شريك عن ابي هاشم الواسطي عن فضالة

(۱۲۵)

مولیٰ عمر أن الذی صلی علی ابی بکر وعمر قرء علیہ بفاتحة الكتاب۔ یعنی فضالہ مولیٰ عمر فاروق نے کہا کہ جس امام نے حضرت ابو بکر صدیق اور عمر بن خطاب فاروق کی نماز جنازہ پڑھائی اس نے ان کی نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھا (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۹۸)

اس حدیث کو امام بخاری نے اپنی تاریخ کبیر میں بھی نقل کیا ہے۔ ملاحظہ ہو امام بخاری فرماتے ہیں کہ :

” فضالة بن ابی امیة والد مبارك قال کاتبی عمر (هو ابن الخطاب الخليفة الراشد) وقال بعضهم انما کاتب عمر ابا امیة روى عنه عبد الملك بن ابی بشیر وقال اسحاق بن کعب اخبرنا شريك عن ابی هاشم عن فضالة بن ابی امیة قال قرء الذی صلی علی ابی بکر وعمر رضی اللہ عنہما بفاتحة الكتاب۔ (تاریخ کبیر للبخاری ج ۷ ص ۱۲۵ نیز الجرح والتعديل لابن ابی حاتم ج ۷ ص ۷۷ ق ۲، ۱، المنتقى لابن تیمیہ ج ۲ ص ۸۷ واصابه لابن حجر ج ۳ ص ۲۱۳، ۲۱۴)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حدیث مذکور کے راوی فضالہ بن ابی امیہ مشہور و معروف محدث مبارک بن فضالہ بن ابی امیہ ابو فضالہ بصری متوفی ۱۶۶ھ کے والد تھے اور موصوف فضالہ یعنی والد مبارک بن فضالہ حضرت عمر بن خطاب کے مولیٰ تھے جن کو حضرت عمر نے مکاتب بنا کر آزاد کیا تھا ان سے عبد الملک بن ابی بشیر بصری اور ابو ہاشم رمانی روایت حدیث کرتے ہیں۔ حافظ ابن حجر نے موصوف فضالہ کو تحفہ م تابعین میں شمار کیا ہے جنہیں عہد نبوی ملا تھا اور عہد نبوی میں مسلمان ہوئے مگر دیدار نبوی کا شرف نہیں حاصل ہو سکا (اصابہ ج ۳ ص ۲۱۳، ۲۱۴)

فضالہ موصوف کو امام ابن حبان نے اپنی کتاب الثقات کے ثقات تابعین میں ذکر کیا ہے (ملاحظہ ہو ثقات ابن حبان ج ۵ ص ۲۹۷) موصوف سے روایت کرنے

(۱۲۶)

والے دونوں حضرات یعنی ابو ہاشم واسطی اور عبد الملک بن ابی بشیر مشہور و معروف ثقہ محدث اور راوی حدیث ہیں۔

مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق قاضی شریک سے اس حدیث کو نقل کرنے والے دو حضرات یحییٰ بن آدم اور اسحاق بن کعب ابو یعقوب اسے روایت کرنے میں ایک دوسرے کی متابعت کر رہے ہیں یحییٰ بن آدم مشہور و معروف ثقہ اور صحیحین کے رواۃ میں سے ہیں۔ اسحاق بن کعب ابو یعقوب مولیٰ بنی ہاشم بھی ثقہ و صدوق محدث ہیں۔ امام ابو حاتم رازی نے انہیں صدوق کہا اور امام ابن حبان نے ثقہ قرار دیا (تاریخ بغداد للخطیب ج ۶ ص ۳۳۳، ۳۳۴، لسان المیزان ج ۱ ص ۳۶۹، ثقات ابن حبان و جرح و تعدیل لابن ابی حاتم ترجمہ اسحاق بن کعب)

ابو الفتح ازدی موصلی نے توثیق ائمہ کے بالکل برخلاف اپنی عادت کے مطابق بلا وجہ و سبب موصوف اسحاق بن کعب کو ”منکر الحدیث“ کہہ دیا ہے جیسا کہ حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال اور حافظ ابن حجر نے لسان المیزان میں صراحت کی ہے ابو الفتح ازدی کا نام محمد بن حسین ہے۔ موصوف ازدی بقول خویش وضع حدیث کے معترف تھے۔ موصوف کا جامع تعارف ہم نے اپنی کتاب ”اللمحات الی مافی انوار الباری من الظلمات ج ۱ ص ۶۱، ۶۲ میں کر دیا ہے۔ موصوف کے ترجمہ کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ خطیب بغدادی ج ۲ ص ۲۴۳، ۲۴۴، کتاب الانساب للسمعانی ج ۱ ص ۵۱، الصارم الممکنی للیخاف ابن عبد الہادی ج ۱۵۵، میزان الاعتدال ج ۳ ص ۶۶، لسان المیزان ج ۵ ص ۱۳۹، ۱۴۰، ہدی الساری مقدمہ فتح الباری ترجمہ اسرائیل بن موسیٰ، تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۷۶، الاجویۃ الفاضلہ لفرنگی محلی س ۱۷۸، ۱۷۹، سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ للالبانی ج ۱ ص ۲۴۳)

دریں صورت موصوف اسحاق بن کعب کی ثابت شدہ توثیق و تعدیل کے بالمقابل ازدی جیسے متاخر و مجروح آدمی کی تخریج ساقط الاعتبار ہے۔ پھر اسحاق بن

(۱۲۷)

کعب کی متابعت امام یحییٰ بن آدم جیسے بلند پایہ ثقہ محدث نے کر رکھی ہے اگر موصوف یحییٰ بن آدم اس روایت کی نقل میں منفرد بھی ہوتے تو اس حدیث کے معتبر ہونے میں کوئی خلل نہ ہوتا پھر تو اسحاق بن کعب کی متابعت کے باعث اس کے پایہ اعتبار میں مزید استحکام آگیا۔

ان دونوں حضرات نے حدیث مذکور قاضی شریک بن عبد اللہ نخعی کوئی متوفی ۱۷۷ھ، ۱۷۸ھ سے نقل کی ہے جو صحیحین کے رواقہ میں سے ہیں جس کا مطلب یہ کہ موصوف بھی ثقہ و معتبر ہیں نیز موصوف کی معنوی متابعت بھی پائی جاتی ہے۔ قاضی شریک واسط اور کوفہ و بغداد کے قاضی رہ چکے ہیں ان کا مختصر سالتعارف ہم نے اللغات میں کرایا ہے۔

قاضی شریک نے حدیث مذکور ابو ہاشم واسطی رمانی یحییٰ بن دینار بن ابی الاسود متوفی ۱۲۰ھ سے نقل کی ہے۔ موصوف ابو ہاشم نے بتصریح حافظ ابن حجر حضرت انس بن مالک صحابی کو دیکھا ہے اس اعتبار سے موصوف ابو ہاشم تاہی ہیں انہیں عام اہل علم نے متفق اللسان ہو کر ثقہ و معتبر کہا ہے۔ امام ابن عبد البر نے کہا کہ: ”اجمعوا علی انه ثقہ“ یعنی موصوف ابو ہاشم کے ثقہ ہونے پر نسب کا اجماع ہے“ (تہذیب التہذیب ج ۱۲ ص ۲۸۶، ۲۸۷ باب الکنی)۔

موصوف ابو ہاشم واسط کے رہنے والے تھے ظاہر ہے کہ قاضی شریک کا ان سے اچھا خاصا تعلق واسط کے زمانہ قضا میں بھی رہا ہوگا۔

ابو ہاشم نے حدیث مذکور جس فضالہ بن ابی امیہ سے نقل کی ہے ان کا تعارف ہو چکا ہے۔ الغرض یہ حدیث سند کے اعتبار سے معتبر و صحیح ہے اور اس بات کی دلیل صریح ہے کہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ کی قرأت کے ضروری ہونے پر عام صحابہ متفق تھے۔

یہ معلوم ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق کی نماز جنازہ پڑھانے والے خلیفہ

راشد حضرت عمر بن خطاب تھے جیسا کہ عام کتب تاریخ میں مذکور ہے۔ نیل الاوطار ج ۵ ص ۷۹ میں بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۶۳ (نیز یہ روایت حافظ ابن حزم نے المنکحی ج ۵ ص ۲۳۹، ۲۴۰ میں بھی بسند صحیح نقل کی ہے منقول ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق کی نماز جنازہ مسجد میں حضرت عمر فاروق نے پڑھائی تھی۔ (طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۲۰۶ و ص ۲۰۷) یہ معلوم ہے کہ وفات نبوی کے صرف ڈھائی سال بعد حضرت ابو بکر صدیق فوت ہوئے تھے اس وقت اکابر صحابہ موجود تھے اور جنازہ صدیق میں عام اکابر صحابہ موجود تھے ان سب کی موجودگی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا موصوف کی نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا اور اس پر کسی کا نکیر نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس پر صحابہ کرام کا اجماع سکوتی ہے۔

یہ معلوم ہے کہ حضرت عمر فاروق عام امور میں سنت نبویہ اور سنت ابی بکر صدیق کا اتباع کرتے تھے اس کا علم حضرت عمر کے اس قول سے ہوتا ہے کہ موصوف نے پوری صراحت کے ساتھ کہا تھا کہ ”ہما الموان اقتدی بہما“ یعنی جناب محمد رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر صدیق وہ آدمی ہیں جن کی میں اقتدا و اتباع کرتا ہوں (صحیح البخاری میں یہ حدیث مختلف مقامات پر مروی ہے نیز ملاحظہ ہو ہمارے کتاب اللغات الی مانی انوار الباری من الظلمات ج ۱ ص ۱۷۵، ۱۷۶ و اعلام الموقعین ج ۱ ص ۶۲ و حجتہ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۱۴۹ و مسند دارمی ص ۳۲، ۳۳) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ حضرت عمر فاروق اتباع سنت نبوی و اتباع صدیقی میں کرتے تھے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ نبی ﷺ سے کئی اسانید معتبرہ سے نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے کا حکم دینا ثابت ہے امام مزی کی کتاب الجنازہ میں ابو بکر صدیق اور دوسرے صحابہ سے منقول ہے کہ یہ لوگ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھا کرتے تھے (عون المعبود ج ۸ ص ۵۰۶) اس تفصیل کا حاصل یہ ہوا کہ پہلے اور دوسرے خلفائے راشدین نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ سنت نبویہ کے مطابق پڑھا کرتے تھے اور ہم کو

(۱۲۹)

شریعت نے حکم دے رکھا ہے کہ نصوص شرعیہ کے موافق جو سنت خلفائے راشدین ہو ہم اس کا اتباع کریں خاص طور سے ”اقتدوا بالذین من بعدی ابا بکر وعمر“ یعنی کہ ابو بکر و عمر کی اقتدا کرو۔

فضالہ کی بیان کردہ حدیث سے واضح طور پر ثابت ہے کہ جس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نصوص شرعیہ کے مطابق حضرت ابو بکر صدیق کی نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھی اسی طرح موصوف کی نماز جنازہ میں بھی سورہ فاتحہ پڑھی گئی۔ حضرت عمر کی نماز جنازہ حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ نے اکابر و اصغر صحابہ کی موجودگی میں پڑھائی تھی (عام کتب سیر و تاریخ) و طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۳۶۳، ۳۶۸۔

حضرت امام حسن بن علی بن ابی طالب کو خلفائے راشدین میں شمار کیا جاتا ہے موصوف امام حسن نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھا کرتے تھے (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۹۷ و رواہ ابن المسنذر کما فی فتح الباری ج ۳ ص ۲۰۳) حضرت عبد اللہ بن مسعود و عبد اللہ بن زبیر و مسور بن مخرمہ و ابو ہریرہ سے اسی طرح کی بات منقول ہے (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۹۷، ۲۹۸، فتح الباری ج ۳ ص ۲۰۳)۔

بعض صحابہ سے مروی ہے کہ وہ نماز جنازہ میں تکبیر تحریمہ کے بعد ”الحمد“ پڑھا کرتے تھے جس کا مطلب ہمارے نزدیک اس کے علاوہ کچھ اور نہیں کہ یہ حضرات تکبیر تحریمہ کے بعد سورہ فاتحہ پڑھا کرتے تھے کیونکہ الحمد کے ظاہر معنی سورہ فاتحہ ہی ہیں اس لئے کہ سورہ فاتحہ کے مختلف ناموں میں سے ایک نام الحمد بھی ہے۔

ہماری مذکورہ بالا بات کی تائید امام ابن حزم کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے کہ:

”حدثت عن ابی ہریرۃ وابی الدرداء وانس بن مالک وابن عباس انہم کانوا یقرؤن بفاتحة الكتاب فی الجنازۃ“ یعنی مجھے ابو ہریرہ ابو الدرداء، انس بن مالک و ابن عباس جیسے صحابہ کے بارے میں یہ حدیث بیان کی گئی ہے کہ یہ لوگ

نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھا کرتے تھے (مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۴۹۲) اسی معنی و مفہوم کی بات امام بیہقی نے السنن الکبریٰ میں بھی کہی ہے۔

اوپر حضرت ابو امامہ والی اس حدیث کا ذکر آچکا ہے کہ تکبیر تحریمہ کے بعد ہی دوسری تکبیر سے پہلے سورہ فاتحہ پڑھنی چاہئے اور دوسری کئی روایات سے بھی یہی بات معلوم ہوتی ہے اس معنی و مفہوم کی بعض دیگر روایات کا ذکر آگے آ رہا ہے۔

بعض صحابہ و تابعین سے مروی ہے کہ وہ نماز جنازہ کی ہر تکبیر میں سورہ فاتحہ پڑھا کرتے تھے امام حسن بصری سے بسند صحیح مروی ہے کہ موصوف نماز جنازہ کی ہر تکبیر میں سورہ فاتحہ پڑھا کرتے تھے (مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۴۹۱ و مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۱۲۴)

لیکن چونکہ ہر تکبیر میں سورہ فاتحہ پڑھنے کا ثبوت حدیث نبوی سے نہیں ہے بلکہ صرف ایک بار پہلی تکبیر میں سورہ فاتحہ پڑھنے پر اکتفا کرنے کا ذکر احادیث نبویہ میں آیا ہے اس لئے اس سے تجاوز کرنا ٹھیک نہیں ہے۔

حدیث ابی ہریرہ

امام مالک و قاضی اسماعیل نے سعید مقبری سے روایت کی کہ :

”انہ سأل ابا هريرة كيف نضلى على الجنازة ؟ فقال انا لعمر الله اخبرك اتبعها من اهلها فاذا وضعت كبرت وحمدت الله وعليت على نبيه ثم اقول اللهم انه عبدك الحديث “ یعنی سعید مقبری نے حضرت ابو ہریرہ سے پوچھا کہ آپ نماز جنازہ کیسے پڑھا کرتے ہیں ؟ حضرت ابو ہریرہ نے جواب دیا کہ میں میت کے گھر والوں کے ساتھ ہو کر جنازہ کے پیچھے پیچھے چلتا ہوں پھر جب وہ نماز جنازہ پڑھنے کی جگہ رکھ دی جاتی ہے تو تکبیر تحریمہ کہتا ہوں اور اللہ کی حمد کرتا ہوں پھر رسول ﷺ پر درود پڑھتا ہوں پھر میت کے لئے یہ دعا پڑھتا ہوں (یہاں دعا مذکور ہے) رواہ مالک فی الموطا ج ۱ ص ۲۲، موطا محمد ص ۱۶۳، ۱۶۵ و اسماعیل القاضی فی فضل الصلوۃ علی

(۱۳۱)

النبی ﷺ (ص ۲۷)

اس روایت میں تکبیر تحریر کے بعد حمد الہی کرنے کا مطلب سورہ فاتحہ پڑھنا ہے کیونکہ دوسری روایات سے اس کی تعیین ہوتی ہے اور نبی پر درود ظاہر ہے کہ موصوف دوسری تکبیر کے بعد پڑھتے تھے اسی طرح دعا تیسری تکبیر کے بعد پڑھتے تھے۔ یہ روایت اگرچہ موقوف ہے مگر معنوی طور پر مرفوع ہے حضرت ابو ہریرہ سے ایک روایت اس طرح منقول ہے کہ :

” ان النبى صلى الله عليه وسلم قد قرء على الجنابة اربع مرات الحمد لله رب العالمين “ یعنی نبی ﷺ نماز جنازہ میں چار مرتبہ الحمد لله رب العالمین کی قرأت کرتے تھے مطلب یہ کہ تلاوت سورہ فاتحہ کرتے تھے (رواہ الطبرانی فی الاوسط قال فی مجمع الزوائد ج ۳ ص ۳۲، وفی ماہض بن القاسم لم اجد من ترجمہ وحقہ رجالہ ثقات)

مذکورہ بالا روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نماز جنازہ میں چار بار سورہ فاتحہ پڑھا کرتے تھے مگر یہ روایت عام روایات اور عمل متواتر کے بالکل خلاف ہونے کے ساتھ باعتبار سند غیر معتبر ہے اس کی سند کے ایک راوی ناہض بن القاسم کو امام بیہقی نے مجہول قرار دیا ہے۔

حضرت ابن مسعود سے مروی ہے کہ :

” لم يوقت لنا في الصلوة على الميت قراءة ولا قول كبير ما كبر الامام واكثر من طيب الكلام “ یعنی ہمارے لئے نماز جنازہ میں کوئی مخصوص طور پر قرأت اور کوئی دوسری بات متعین و مقرر نہیں کی گئی ہے امام جتبی تکبیریں کہے تم بھی اتنی تکبیریں کہو اور اچھے اچھے دعائیہ کلمات بکثرت استعمال کرو“ (مسند احمد و رجالہ رجال صحیح)

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ سورہ فاتحہ اور درود کے علاوہ کوئی چیز متعین

طور پر نماز جنازہ میں پڑھنے کے لئے نہیں مقرر ہے کیونکہ سورہ فاتحہ وورد کا متین و مقرر ہونا دلائل صریحہ سے واضح ہے۔ امام ابن المنذر وغیرہ نے ابن مسعود سے نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا نقل کیا ہے (فتح الباری کتاب الجنائز) اس لئے ہماری مذکورہ بالا تفصیل ہی معقول و مناسب ہے۔

نماز جنازہ میں فاتحہ کے ساتھ دوسری سورہ ملانے کا مسئلہ

امام نسائی نے کہا کہ :

” اخبرنا الهیثم بن ایوب عن ابراهیم بن سعد بن عبد الرحمن بن عوف الزہری حدثنا ابی عن طلحة بن عبد اللہ قال صلیت خلف ابن عباس علی جنازة فقرأ بفاتحة الكتاب وسورة وجهر حتی اسمعنا فلما فرغ اخذت بیده فسألتہ فقال سنة وحق “ یعنی طلحہ بن عبد اللہ نے کہا کہ میں نے ابن عباس کے پیچھے نماز جنازہ پڑھی تو موصوف ابن عباس نے بالجہر سورہ فاتحہ اور ایک دوسری سورت کی قرأت کی موصوف ابن عباس کی قرأت اسقدر جہری اور زور سے تھی کہ ہم سب کو وہ قرأت سنائی دے رہی تھی پھر موصوف جب نماز جنازہ پڑھا کر فارغ ہوئے تو میں نے ان کا ہاتھ تھام کر اس سلسلے میں پوچھا جس کا جواب ابن عباس نے یہ دیا کہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ اور اس کے ساتھ دوسری سورت کا پڑھنا اور زور و جہر سے پڑھنا دستور نبوی اور حق و صحیح بات ہے “ (سندہ صحیح، صحیح نسائی للالبانی نمبر ۱۸۷۸، ۱۸۷۹ ج ۲ ص ۴۲۸، سنن بیہقی ج ۳ ص ۳۹، کتاب الام للشافعی ج ۱ ص ۴۳۹، شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۲۸۸، المحلی لابن حزم ج ۵ ص ۱۲۹، الجوہر النقی ج ۳ ص ۳۸)

مذکورہ بالا حدیث امام ابن الجارود نے بسند صحیح اس طرح نقل کی ہے کہ :

” عن زید بن طلحة التیمی سمعت ابن عباس قرأ علی جنازة فاتحة الكتاب وسورة وجهر بالقراءة وقال انما جهرت لاعلمکم انها سنة “ (المشتقی لابن الجارود بسند صحیح ص ۲۷۳، المشتقی لابن الجارود بسند صحیح ص ۲۷۳، المشتقی لابن الجارود بسند صحیح ص ۲۷۳، المشتقی لابن الجارود بسند صحیح ص ۲۷۳)

(۱۳۳)

البخاری و ابوداؤد و النسائی و الترمذی و قال صحیح و کذا لک قالہ النووی

مذکورہ بالا دونوں صحیح سندوں سے مروی شدہ حدیث مزید دوسری معتبر سندوں سے بظاہر مختلف الفاظ کے ساتھ ورنہ حقیقت ایک ہی معنی کے ساتھ مروی و منقول ہے اور اس کا واضح مفاد ہے کہ عام نمازوں کی طرح نماز جنازہ میں بھی سورہ فاتحہ کے ساتھ مزید ایک سورہ کا شامل کر لینا سنت نبویہ ہے۔

اگر تحقیق کے ساتھ اس قسم کی روایات پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ نماز جنازہ میں عام نمازوں کی طرح سورہ فاتحہ اور اس کے ساتھ دوسری سورہ کا ملا کر پڑھنا متواتر المعنی حدیث سے ثابت ہے اس لئے ہر مسلمان پر لازم ہے کہ دوسرے امور کی طرح نماز جنازہ میں بھی اس طریق نبوی پر عمل کرے اور طریق نبوی سے انحراف کر کے دوسرا راستہ نہ اختیار کرے۔

امام نماز میں قرأت بالجہر کرے

نماز جنازہ سے متعلق وارد شدہ عام روایات کا ظاہری معنی یہ مستفاد ہوتا ہے کہ آپ ﷺ امام کی حیثیت سے سورہ فاتحہ و دیگر سورہ کی قرأت بالجہر کرتے تھے نیز دوسری تکبیروں میں درود و دعائیں بھی بالجہر ہی پڑھتے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے آپ ﷺ سے سن ہی کر یہ ساری باتیں سیکھیں اور یاد کیں۔

حضرت ابن عباس سے مذکورہ بالا جو دونوں صحیح روایتیں ہم نے نقل کی ہیں اور ان کی ہم معنی دوسری سندوں سے بھی یہ روایت منقول و مروی ہے ان میں یہ صراحت بھی ہے کہ سورہ فاتحہ و دیگر سورہ کا پڑھنا جہر کے ساتھ مسنون ہے دراصل ہمارے نزدیک قرأت بالجہر کی بات کو ابن عباس اور دیگر صحابہ نے سنت کہا ہے ورنہ نفس سورہ فاتحہ اور درود و دعا کا پڑھنا اس نماز میں فرض ہے اور جب جہری قرأت امام کے لئے اس نماز میں سنت ہے تو اس کے خلاف بھی عمل کر کے سری قرأت بھی کرنے کی اجازت ہے کیونکہ مسنون چیز کی پابندی ضروری نہیں ہے۔ ہمارے نزدیک

(۱۳۴)

تمام روایات میں تطبیق کی یہی ضرورت ہے اور اس کتاب میں ہمارا مقصد اس لئے ہم زیادہ تفصیل میں نہیں پڑنا چاہتے۔

امام دارقطنی نے ابو امامہ بن سہل بن حنیف تک پہنچنے والی ایک "بہتر سند" کے ساتھ نقل کیا کہ:

"عن عبید السباق صلی بن سہل بن حنیف علی جنازة فلما کبر تکبیر الاول قرء بام القرآن حتی اسمع من خلفه قال ثم تابعه تکبیرة حتی بقیت تکبیرة واحدة تشهد تشهد الصلوة ثم کبر و السرف " یعنی عبید بن سباق نے کہا کہ ہم کو سہل بن حنیف صحابی نے نماز جنازہ پڑھائی تو تکبیر تحریمہ کے بعد موصوف نے بالجہر سورہ فاتحہ پڑھائی پھر تکبیریں کہیں اور آخر میں درود پڑھا اور تکبیر کہہ کے نماز ختم کر دی " (سنن دارقطنی ج ۱ ص ۱۹۱ و سنن بیہقی ج ۲ ص ۳۹)

اس سے بھی صاف طور پر ظاہر ہے کہ صحابہ کرام نماز جنازہ پڑھتے تو امام جہر کے ساتھ قرأت کرتا تھا۔ حضرت ابن عباس سے یہ بھی مروی ہے کہ:

"اتی بجنازة فتقدم رسول الله صلی الله علیه وسلم فقرء بام القرآن فجهر بها ثم کبر الثانية فدعا للمیت الحدیث " یعنی ایک جنازہ لایا گیا رسول اللہ ﷺ اس کی نماز جنازہ پڑھنے کے لئے آگے بڑھے اور بالجہر سورہ فاتحہ پڑھی پھر دوسری تکبیر کہہ کر میت کے لئے دعائیں کیں الخ (معجم اوسد للظہرائی، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۳۲)

اس روایت کے سلسلے میں امام بیہقی نے کہا کہ اس کی سند میں واقع یحییٰ بن یزید بن عبد الملک نوقلی راوی ضعیف ہیں مگر ہم کہتے ہیں کہ موصوف یحییٰ مطلقاً ضعیف نہیں ہیں بعض ائمہ فن نے ان کی توثیق بھی کی ہے یعنی کہ موصوف مختلف فیہ ہیں جیسا کہ لسان المیزان میں موصوف کے ترجمہ سے واضح ہوتا ہے ثانیاً اس روایت کے معنوی متابع و شواہد بہت سے ہیں جن کی بنا پر یہ حدیث معتبر قرار پاتی ہے۔ البتہ یحییٰ

(۱۳۵)

نوفلی نے جس راوی سے اسے نقل کیا ہے وہ ضعیف ہے۔ بعض روایات میں جو سر الامام کے قرأت کرنے کا ذکر آیا ہے اس کی توجیہ ہماری طرف سے گذر چکی ہے۔ ہم اس سلسلے میں صرف اسی قدر بات پر اکتفا کرتے ہیں البتہ ایک بات یہاں قاضی شیخ الاسلام ثناء اللہ پانی پتی کی نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ سے متعلق نقل کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔

نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے سے متعلق قاضی ثناء اللہ کی وصیت

ہندوستان کے مشہور و معروف فقیہ و مفتی، مفسر و محدث، حنفی المذہب اور صوفی المشرب عالم دین و حافظ قرآن مجید قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی مولود ۱۲۳۳ھ متوفی ۱۳۲۵ھ ہمارے اپنے ملک اور بیرون ملک میں اہل اسلام کے یہاں بہت عظمت و شہرت رکھتے ہیں موصوف مشہور ولی اللہ شیخ جلال الدین کبیر الاولیاء پانی پتی قدس سرہ کے خاندان کے روشن چراغ تھے۔ موصوف مشہور ہندوستانی عالم و صوفی شیخ مرزا جاں جاناں حبیب اللہ مظہر شہید کے خاص الخاص تلامذہ میں سے تھے۔ اسی بنا پر اپنی لکھی ہوئی مبسوط تفسیر قرآن مجید کا نام موصوف نے ”التفسیر المظہری“ رکھا یہ تفسیر دس ضخیم جلدوں میں مطبوع شکل میں موجود ہے۔ موصوف کو شاہ ولی اللہ خاندان میں بڑی اہمیت حاصل تھی اور حقیقت یہ ہے کہ موصوف مسلک و مشرب کے اعتبار سے بھی مسلک شاہ ولی اللہی سے زیادہ قرب رکھتے تھے شاہ عبد العزیز بن شاہ ولی اللہ محدث دہلوی موصوف قاضی ثناء اللہ کو بیہتی وقت کہا کرتے تھے۔ موصوف کی بہت ساری کتابیں ہیں جن میں سے تفسیر مظہری کے علاوہ ارشاد الطالین، تذکرۃ الموتی والقور، تذکرۃ المعاد، حقوق الاسلام وغیرہ زیادہ معروف و مشہور ہے (تذکرہ علمائے حدیث ہند، نزہۃ الخواطر وغیرہ) موصوف نے اپنی عمر کے اواخر میں وفات سے تھوڑے دنوں پہلے ایک وصیت نامہ تحریر کیا تھا جو موصوف کی لکھی ہوئی مشہور درسی کتاب ”مالا بد منہ“ کے ساتھ منسلک ہے۔ موصوف قاضی ثناء اللہ پانی پتی اس وصیت نامہ

میں فرماتے ہیں کہ : ”نوع اول آنست کہ در تجہیز و تکفین و غسل و دفن رعایت سنت کنند و در

چادر رزائی کہ حضرت ایشاں شہید عنایت فرمودہ بودند تکفین نمایندہ و عمامہ خلاف سنت است ضرور نیست و نماز جنازہ بجماعت کثیرہ و امام صالح مثل حافظ محمد علی یا حکیم سکھو (غلام معین الدین) یا حافظ پیر محمد بجا آرند و بعد تکبیر اولی سورہ فاتحہ ہم خوانند

و بعد مردن من رسوم ہندی مثل وہم و بستم و چہلم و شش ماہی و بر سنی بیچ نہ کند کہ رسول اللہ ﷺ زیادہ از سہ روز ماتم کردن جائز نہ داشتہ اند حرام ساختہ اند الخ (وصیت

نامہ از قاضی ثناء اللہ پانی پتی منسلک بہ مالابہ منہ مطبوعہ ۱۹۵۶ء و ہلی ص ۱۴۵) یعنی اس وصیت نامہ میں میری پہلی بات یہ ہے کہ تجہیز و تکفین اور غسل و تدفین کے بھی

امور میں سنت نبویہ کو ملحوظ رکھا جائے اور دو چادریں جو مجھے میرے شیخ طریقت استاذ محترم مرزا مظہر جان جاناں نے عنایت فرمائی تھیں مجھے انہیں دونوں چادروں

میں کفن دیا جائے اور میرے کفن میں عمامہ نہ دیا جائے کیونکہ یہ خلاف سنت ہے اور میری نماز جنازہ جماعت کثیرہ کے ساتھ پڑھی جائے اور میری نماز جنازہ کا امام صالح

آدمی مثلاً حافظ محمد علی یا حکیم غلام معین الدین عرف حافظ سکھو یا حافظ پیر محمد میں سے کوئی صاحب ہونا چاہئے اور تکبیر تحریمہ کے بعد میری نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ

بھی پڑھیں اور میری وفات کے بعد دنیاوی رسوم میں سے کوئی رسم نہ کریں مثلاً

دسواں، ال چالیسواں، چھ ماہی اور برسی وغیرہ نہ کریں کیونکہ آپ ﷺ نے تین دن سے زیادہ ماتم و سوگ کو حرام قرار دیا ہے الخ“

اپنے اس وصیت نامہ میں موصوف قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے نہایت واضح طور پر فرمان نبوی و حکم شرعی کے مطابق حنفی المذہب ہونے کے باوجود سورہ فاتحہ

پڑھنے کی تاکید اپنی نماز جنازہ میں کی ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ کے مشہور حنفی المذہب اہل علم مثلاً حافظ محمد علی و حکیم سکھو و حافظ پیر محمد وغیرہ نماز

(۱۳۷)

جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے کے قائل تھے جس سے مستفاد ہوتا ہے کہ ان حضرات کے نزدیک حنفی مذہب پر قائم رہتے ہوئے بھی فقہ حنفی کے خلاف سنت ثابتہ اور احادیث معتبرہ پر عمل کو ترجیح حاصل ہے موصوف قاضی صاحبؒ نے اپنے شیخ طریقت اور استاذ مرزا مظہر جان جاناں کی عنایت کردہ چادروں میں تکفین کی جو وصیت کی ہے وہ حدیث نبوی سے ثابت ہے صحیح بخاری اور متعدد کتب حدیث میں سہل بن سعد صحابی سے مروی ہے کہ ایک انصاریہ خاتون اپنے ہاتھوں سے بن کر ایک چادر خدمت بنویہ میں ہدیہ کرنے آئیں جسے ایک صحابی نے اس مقصد کے لئے آپ ﷺ سے مانگ لیا کہ اسے اپنا کفن بنائیں نبی ﷺ نے اس صحابی کے اس طرز عمل پر کوئی نکیر نہیں کی (صحیح البخاری مع فتح الباری کتاب الجنائز باب من استعد الکفن فی زمن النبی ﷺ فلم ینکر علیہ ج ۳ ص ۱۲۳ حدیث نمبر ۷۷۷۷، عام کتب حدیث)

نیز آپ ﷺ نے اپنی فوت ہو جانے والی ایک صاحب زادی کو اپنی طرف سے ایک کپڑا کفن میں استعمال کرنے کے لئے دیا تھا (صحیح البخاری مع فتح الباری باب غسل المیت ووضوءہ بالماء والسدر ج ۳ ص ۱۲۵، عام کتب حدیث صحیح بخاری میں یہ حدیث کئی مقامات پر آئی ہوئی ہے۔ حالانکہ کفن کی ذمہ داری میت کے ورثہ پر ہے۔

قاضی ثناء اللہ موصوفؒ نے اپنے اس وصیت نامہ میں صراحت کی ہے کہ میری اس وصیت پر جو لوگ عمل نہ کریں گے میں بروز قیامت ان کا دامن گیر ہوں گا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ موصوف نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے کو بہت زیادہ ضروری سمجھتے تھے یہی حال قاضی صاحب کے استاد مرزا مظہر جان جاناں کا بھی تھا۔ حدیث میں ہے کہ ہمارے نبی ﷺ کو کفن میں عمامہ نہیں دیا گیا تھا (صحیح بخاری میں یہ حدیث مختلف مقامات پر کئی سندوں سے منقول ہے اور دوسری کتب حدیث میں بھی)

متواتر المعنی حدیث نبوی میں ہے کہ جنازہ میں جتنے زیادہ لوگ میت کے لئے

دعائے خیر کریں اتنا ہی بہتر ہو گا۔ اسی مناسبت سے قاضی موصوف نے یہ وصیت کی تھی کہ میری نماز جنازہ جماعت کثیرہ کے ساتھ پڑھی جائے۔

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ اپنے وصیت نامہ میں قاضی موصوف نے مردہ کے لئے دسواں، بیسواں اور چہلم وغیرہ جیسی رسوم کو دنیاوی رسوم کہا ہے یعنی کہ ان رسوم کا کوئی تعلق دین سے نہیں اور یہ نو ایجاد چیزیں ہیں جو اتباع ہنود و مشرکین میں اختراع کی گئی ہیں انہیں انجام دینا ضلالت و گمراہی ہے۔

اپنے وصیت نامہ کے اوائل میں قاضی صاحب موصوف نے شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی سے اظہار عقیدت کیا ہے اور یہ معلوم ہے کہ شیخ جیلانی نے اپنی کتاب غنیۃ الطالبین میں نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا ضروری قرار دیا ہے۔ احناف خصوصاً بریلوی لوگ شیخ جیلانی سے عقیدت کا دم بہت بھرتے ہیں اور ہر سال ان کی گیارہویں شریف مناتے ہیں جو سراسر بدعت و ضلالت ہے مگر موصوف کے اتباع سنت والے طریق پر یہ لوگ نہیں چلتے نہ نماز جنازہ میں امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھتے ہیں نہ نماز پنجگانہ میں نہ مستون نمازوں میں نہ نقلی نمازوں میں۔ امام کے پیچھے ان تمام نمازوں میں یہ لوگ سورہ فاتحہ نہیں پڑھتے اور نماز جنازہ میں تو ان کے امام لوگ بھی فاتحہ نہیں پڑھتے۔ اس شرعی حکم پر عمل سے اعراض و انحراف کے باوصف فاتحہ کے نام سے مردوں کے لئے بہت ساری بدعات پر مشتمل فاتحہ کی خود ساختہ رسم ضرور مناتے ہیں جو بھڑک نبوی جہنم رسید کرنے والی رسم ہے شریعت میں نئی باتوں کی ایجاد بہر حال بہت زیادہ مبغوض و مذموم اور فبیح چیز ہے اس کی مذمت پر عہد نبوی سے لے کر آج تک ساری امت متفق ہے حتیٰ کہ وہ لوگ بھی اس سے متفق ہیں جو بدعات کی ایجاد و اختراع کو اپنا کاروبار اور وظیرہ بنائے ہوئے ہیں اور بدعات کے مذموم ہونے کے لئے یہ بات بہت کافی ہے کہ بدعات کے گردیدہ لوگ بھی بدعات کی مذمت پر متفق ہیں۔

..... ہر مسلمان کو سب سے زیادہ عقیدت و محبت اللہ و رسول اور ان کے احکام

(۱۳۹)

و فرامین سے ہونی چاہئے اور ان کے بتلائے ہوئے طریق پر چلنے کا جذبہ و ذوق بھی ہونا چاہئے ان کے موافق جن اسلاف کا عمل ہو ان کے طریق پر ہم کو چلنا چاہئے فرمان بنوی ”ما انا علیہ و اصحابی“ کا یہی معنی و مطلب ہے۔

نماز جنازہ میں درود کا موقع و محل

یہ معلوم ہے کہ نماز جنازہ میں رکوع و سجدہ مشروع نہیں ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ عام نمازوں میں قرأت فاتحہ و سورہ کے بعد رکوع پھر سجدہ ہوتا ہے اور دوسری رکعت میں سجدہ کے بعد تشہد ہوا کرتا ہے چونکہ نماز جنازہ میں رکوع و سجود مشروع نہیں اس لئے نماز جنازہ میں قرأت سے فارغ ہو کر دوسری تکبیر کہی جاتی ہے پھر درود پڑھا جاتا ہے یعنی کہ نماز جنازہ میں درود پڑھنے کی وہی ترتیب ہے جو عام نمازوں میں ہے البتہ عام نمازوں کی طرح جنازہ میں رکوع و سجود مشروع نہیں اور سجدوں کے بعد درود پڑھا جاتا ہے تو رکوع و سجود حذف کرنے کے بعد درود ہی پڑھنے کی باری ہے عام روایات سے یہی بات ظاہر بھی ہوتی ہے۔ درود کے بغیر نہ ہجگانہ نمازوں میں سے کوئی نماز صحیح ہو سکتی ہے نہ مسنون و نفل نمازوں میں سے کوئی نماز صحیح ہوتی ہے اسی طرح نماز جنازہ کا معاملہ بھی ہے کہ عام نمازوں کی طرح اس میں درود کا پڑھنا فرض ہے۔ قرآنی آیت ”ان الله وملائكته يصلون على النبي يا ايها الذين آمنوا صلوا عليه وسلموا تسليما“ (پ ۲۲ سورہ الاحزاب ۵۶) یعنی اللہ اور اس کے فرشتے نبی (ﷺ) پر درود دعائے رحمت بھیجتے ہیں تو اے ایمان والو! تم بھی نبی پر درود بھیجو اور اچھی طرح سلام بھی کہو“ کا اصل موقع و محل نمازیں ہی ہیں۔ یہ معلوم ہے کہ حنفی مذہب میں نمازوں میں درود کا پڑھنا فرض نہیں صرف مسنون و مستحب ہے۔ کسی بھی روایت سے ثابت نہیں کہ نماز جنازہ سمیت کوئی بھی نماز ہمارے رسول ﷺ نے درود کے بغیر پڑھی ہو۔

متعدد روایات سے نماز جنازہ میں درود پڑھنے کا حکم بصغیر امر وارد ہوا ہے جو محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

(۱۳۰)

وجوب پر دلالت کرتا ہے اور متعدد روایات کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ سورہ فاتحہ کی طرح درود بھی نماز جنازہ میں بالجہر ہی پڑھتے تھے۔

ہمارے نزدیک رائج یہی ہے کہ دوسری تکبیر کے بعد نماز جنازہ میں امام درود بالجہر پڑھے اور مقتدی لوگ سورہ فاتحہ کی طرح امام کے پیچھے درود سراپڑھا کریں۔ درود کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ نماز جنازہ یا عام نمازوں میں سلام پھرنے سے پہلے اور درود کے بعد جو دعائیں میت کے حق میں یا اپنے حق میں پڑھی جاتی ہیں ان کی مقبولیت کا سامان ہو جاتا ہے۔ احادیث میں ہے کہ درود کے بغیر دعا مقبول نہیں ہوگی (تحفۃ الذاکرین میں اس کی تفصیل موجود ہے) جس طرح عام نمازوں میں سلام پھیرنے سے پہلے درود کے بعد دعائیں پڑھنے کا ذکر ہے اسی طرح نماز جنازہ میں بھی ہے درود کے بعد تیسری تکبیر کہی جائے اور اسی میں دعائیں پڑھی جائیں۔ نماز جنازہ میں میت کے لئے خصوصی طور پر دعائے مغفرت نہایت خلوص کے ساتھ ہونی چاہئے جیسا کہ اس معنی و مفہوم کی بعض روایات کا ذکر گذشتہ صفحات میں آچکا ہے اور اختصار کے پیش نظر ہم مزید تفصیل اس سلسلے میں پیش کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے۔

نماز جنازہ میں دعا کا موقع و محل

یہ دعا امام بالجہر پڑھے :

یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ قرأت کے بعد دوسری تکبیر کہہ کر امام بالجہر درود پڑھے پھر تیسری تکبیر کہہ کر میت کے لئے خصوصی دعائے مغفرت کرے۔ امام طبرانی نے اس سلسلے میں اپنی کتاب الدعاء میں کئی روایات نقل کی ہیں۔ (ملاحظہ ہو کتاب الدعاء لطبرانی ج ۳ ص ۱۳۴۸ تا ص ۱۳۶۰)

امام مسلم اپنی صحیح میں ناقل ہیں کہ :

” عن عوف بن مالك الاشجعي قال سمعت النبي صلى الله عليه

وسلم وصلى على جنازة يقول اللهم اغفر له وارحمه واعف عنه وعافه الخ

(۱۴۱)

یعنی عوف بن مالک اشجعی نے کہا کہ میں نے ایک جنازہ کی نماز میں نبی ﷺ کو یہ عائے مغفرت کرتے ہوئے سنا اللھم اغفر لہ ارحمہ الخ“ (صحیح مسلم مع شرح نووی ابواب الجنائز ج ۱ ص ۱۱۳ و سنن نسائی)

اس حدیث صحیح سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے رسول ﷺ نماز جنازہ میں میت کے لئے پڑھی جانے والی عائیں بھی بالجبر پڑھا کرتے تھے۔
حضرت واثلہ بن الاسقع صحابی سے مروی ہے:

”صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی رجل من المسلمین فسمعته یقول اللھم ان فلان بن فلان فی ذمتک وحبل جوارک فقه من فتنۃ القبر وعذاب النار وانت اهل الوفاء والحمد الھم فاغفر لہ وارحمہ وانک انت الغفور الرحیم“ یعنی آپ ﷺ نے ایک مسلمان میت کی نماز جنازہ پڑھی تو اس میں آپ ﷺ نے میت کے لئے پڑھی جانے والی مذکورہ دعا کو بالجبر پڑھا جسے میں نے سنا“ (رواہ ابوداؤد و ابن ماجہ، عون المعبود ج ۸ ص ۵۰۰، سنن بیہقی ج ۲ ص ۴۳)

امام سعید بن مسیب نے کہا کہ:

”صلیت وراء ابی ہریرۃ علی صبی لم یعمل خطیۃ قط فسمعته یقول اللھم اعذہ من عذاب القبر“ یعنی میں نے حضرت ابو ہریرہ کے پیچھے ایک بے گناہ معصوم بچے کی نماز جنازہ پڑھی۔ میں نے حضرت ابو ہریرہ کو اس بچے کے لئے یہ دعا کرتے ہوئے سنا کہ ”اللھم اعذہ من عذاب القبر“ (رواہ مالک فی موطاہ)

مذکورہ روایت سے صاف ظاہر ہے کہ ہمارے رسول ﷺ اور صحابہ کا موقف یہ تھا کہ نماز جنازہ میں امام میت کے لئے دعائیں بھی بالجبر پڑھے۔ نیز یہ کہ میت کے لئے کوئی خاص قسم کی دعا نہیں مقرر ہے مختلف دعائیں حسب مواقع آپ ﷺ اور صحابہ پڑھا کرتے تھے۔ اس معنی و مفہوم کی روایات بہت سی ہیں مگر بنظر اختصار ہم صرف انہیں کی نقل پر اکتفا کرتے ہیں۔

(۱۳۲)

یہ معلوم ہے کہ ہمارے رسول ﷺ نے یہ حکم دے رکھا ہے کہ ”صلو کما رأیتونی اصلی“ مجھے جس طرح نماز پڑھتے ہوئے دیکھو اسی طرح تم بھی نماز پڑھو۔ لہذا امام کو آپ ﷺ ہی کی طرح بالجہر دعاء نماز جنازہ میں پڑھنی چاہئے۔ البتہ ہم عرض کر چکے ہیں کہ بعض صحابہ امام کی حیثیت سے سورہ فاتحہ و درود دعا بالسر پڑھا کرتے تھے اور اسی کو سنت کہا کرتے تھے لہذا جو لوگ امام کے لئے سران امور کا پڑھنا ہی مناسب سمجھتے ہوں انہیں اس کا اختیار ہے۔

تنبیہ

ہمارے یہاں خاص طور پر احناف میں نماز جنازہ کے لئے میت کے واسطے دعائے مغفرت کے سلسلے میں جس دعا کو پڑھنے کا رواج عام ہے یعنی اللھم اغفر لحینا ومیتنا وشاهدنا الخ وہ ابوالبراء ایم اشہلی نامی ایک رلوی سے بھی بایں طور مروی ہے کہ:

”حدثنی ابی انا سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول فی الصلوۃ علی المیت اللھم اغفر لحینا ومیتنا الخ یعنی دعائے مذکور کو نماز جنازہ میں ہمارے رسول ﷺ بالجہر پڑھا کرتے تھے جسے صحابی مذکور نے دوران نماز جنازہ آپ ﷺ کو پڑھتے ہوئے سنا (سنن ابی داؤد مع عون المعبود ج ۸ ص ۵۰۰ و سنن نسائی و جامع ترمذی و سنن بیہقی ج ۴ ص ۴۰، ۴۱ و قال الترمذی حدیث صحیح)

ابوالبراء ایم اشہلی کو حافظ ابن حجر نے اپنی اصطلاح کے مطابق مقبول کہا ہے جب کہ اور لوگوں نے موصوف کی نقل کردہ اس حدیث کو صحیح کہا ہے حافظ ابن حجر کی بات کا مطلب یہ ہے کہ ابوالبراء ایم والی اس حدیث کا متابع و شاہد ملنے کی صورت میں حدیث مذکور معتبر و حجت ہوگی اور اس کی معنوی متابعت موجود ہے۔ حضرت ابو قتادہ انصاری سے بسند صحیح مروی ہے کہ موصوف نے بھی رسول اللہ ﷺ کو دعائے مذکور نماز جنازہ میں بالجہر پڑھتے ہوئے سنا تھا (سنن بیہقی ج ۴ ص ۴۱ وغیرہ)

اس سے معلوم ہوا کہ جس دعا کو عام طور سے احناف اور بہت سارے اہل

(۱۲۳)

حدیث نماز جنازہ میں پڑھنے پڑھانے کا معمول رکھتے ہیں وہ دعا ہمارے رسول ﷺ نماز جنازہ میں بالجہر پڑھا کرتے تھے۔ اس معاملہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہمیں کوئی وقت اختیار کرنا چاہئے ویسے ہم عرض کر چکے ہیں کہ اگر ہنگامہ نمازوں میں سے کسی بہری نماز میں امام نے سری قرأت کی تو بھی نماز ہو جائے گی۔

جہر سے نماز جنازہ میں میت کے لئے دعائے مغفرت کا آپ ﷺ سے پڑھنا اتنی زیادہ اور معتبر سندوں کے ساتھ منقول ہے جن کا انکار ناممکن ہے اور اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ جب آپ ﷺ نے دعائے مغفرت بالجہر پڑھی تو سورہ فاتحہ و درود کا بھی بالجہر پڑھنا جن روایات سے ظاہر ہوتا ہے وہ روایات اپنی جگہ پر معتبر ہیں اور بالجہر پڑھنے کے مسنون ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔

نماز جنازہ میں سلام پھیرنے کا مسئلہ

ہمارے نزدیک رائج یہ ہے کہ نماز جنازہ میں چار تکبیروں پر اکتفا کیا جائے۔ یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ ہم انسانوں کے مورث اعلیٰ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نماز جنازہ چار تکبیروں کے ساتھ پڑھی گئی تھی اور اس موقع پر فرشتوں نے اولاد آدم کو خطاب کر کے بتلادیا تھا کہ ”ہذہ سنتکم فی موتاکم“ یعنی مردوں پر نماز جنازہ اسی طرح سے پڑھنی چاہئے۔ عہد نبوی میں اگرچہ بعض اوقات آپ ﷺ نے اور آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے چار تکبیروں سے زیادہ کے ساتھ بھی نماز جنازہ پڑھی اور وفات نبوی کے بعد بھی اس پر کبھی کبھار بعض صحابہ کسی مناسبت سے چار تکبیروں سے زیادہ نماز جنازہ میں تکبیریں کہتے تھے اور ہر زائد تکبیر میں کوئی نہ کوئی دعا ماثور دعاؤں میں سے پڑھتے تھے مگر ذخیرہ احادیث پر گہری نظر ڈالنے سے مستفاد ہوتا ہے کہ اواخر میں آپ ﷺ نماز جنازہ میں صرف چار تکبیروں پر اکتفا کرنے لگے تھے۔ شاہ حبشہ نجاشی کی قاتبانہ نماز جنازہ ۹ میں یا اس کے بعد اواخر عہد نبوی میں پڑھی گئی تھی اور متواتر المعنی حدیث سے ثابت ہے کہ اس قاتبانہ نماز جنازہ میں آپ

(۱۴۴)

ﷺ نے چار ہی تکبیروں پر اکتفا کیا تھا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس معاملہ میں آپ ﷺ اواخر زندگی میں حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام والی نماز جنازہ میں کہی گئی تکبیروں ہی پر اکتفا کرنے لگے تھے اور آپ ﷺ کے بعد عام صحابہ کا بھی عمل اسی طرح رہا پھر بھی اگر کسی موقع سے کوئی چار سے زیادہ تکبیریں نماز جنازہ میں کہے تو ہم منع بھی نہیں کرتے کیونکہ اس کے منسوخ ہونے پر کوئی واضح و صریح دلیل نہیں اور وفات نبوی کے بعد بعض صحابہ کے عمل سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بات منسوخ نہیں ہوئی ہے۔ چوتھی تکبیر یا آخری تکبیر کے بعد بلا کچھ پڑھے اور بلا توقف نماز جنازہ کو ختم کرتے ہوئے سلام پھیر دینا چاہئے۔ چار تکبیروں سے کم پر نماز جنازہ میں اکتفا کرنا دلیل شرعی سے ثابت نہیں۔ صحیح البخاری باب التکبیر علی الجنائز مع فتح الباری ج ۳ ص ۲۰۲ میں منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت انس بن مالک نے بھول کر تین ہی تکبیروں پر سلام پھیر دیا تو پھر سے چوتھی تکبیر کہہ کر سلام پھیرا۔ مشہور و معروف حدیث نبوی ہے کہ :

” مفتاح الصلوٰۃ الطہور وتحريمها التكبير وتحليلها التسليم “ یعنی نماز کی کلید طہارت ہے (مراد وضو ہے اور اگر جنابت ہو تو غسل کر کے حصول طہارت لازم و ضروری ہے) اس کے بغیر کوئی بھی نماز صحیح نہیں ہوگی اور اس کا تحریم یعنی نماز میں داخل ہونے کا ذریعہ تکبیر ہے اور نماز سے فارغ ہونے اور اس سے نکلنے کا ذریعہ سلام پھیرنا ہے (رواہ ابو داؤد و الترمذی و الدارمی و ابن ماجہ عن علی بن ابی طالب مرفوعاً و سندہ صحیح)

اس فرمان نبوی میں نماز جنازہ بھی داخل ہے کہ اس نماز سے فراغت سلام پھیر کر ہوگی۔ بعض اسلاف سے مروی ہے کہ ” یا ایہا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما “ والے فرمان ربانی میں ” وسلموا تسلیما “ سے مراد نماز سے فارغ ہوتے وقت پھیرے جانے والا سلام ہے (تفسیر کبیر للرازی سور احزاب) اس تفسیر

(۱۳۵)

کے اعتبار سے نماز سے فراغت کے لئے سلام کا پھیر نا فرض قرار پاتا ہے اگرچہ متواتر المعنی احادیث نبویہ سے بھی یہی بات مستفاد ہوتی ہے اور ان سب باتوں کا حاصل یہ ہے کہ نماز سے فراغت کے لئے سلام کا کوئی دوسرا بدل نہیں ہے۔ کسی بھی شرعی دلیل سے سلام کا بدل ثابت نہیں ہے اس لئے اور نمازوں کی طرح نماز جنازہ سے فراغت کے لئے چوتھی تکبیر کے بعد ہی متصلاً کچھ پڑھے بغیر سلام پھیرنا چاہئے۔ اس کے بغیر نماز جنازہ صحیح نہیں ہوگی۔

نماز جنازہ میں بالجہر سلام پھیرنے کا مسئلہ

یہ معلوم و معروف بات ہے کہ جماعت سے پڑھی جانے والی عام نمازوں میں امام سلام بالجہر پھیرتا ہے اس کے لئے ”السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ“ کے الفاظ احادیث میں منقول ہیں اس اعتبار سے نماز جنازہ میں بھی امام کو بالجہر ہی سلام پھیرنا چاہئے اور یہ بات عام احادیث سے ثابت ہے مگر ابو امامہ والی معروف حدیث سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ سلام امام کو سراہی پھیرنا چاہئے لیکن ہمارے نزدیک بعض روایات نے اس روایت کے کچھ الفاظ میں تقدیم و تاخیر کر دی ہے جس سے بظاہر اس کا یہ مفہوم محسوس ہونے لگتا ہے۔ موصوف ابو امامہ کی روایت میں سراپڑھی جانے والی باتوں کا تعلق سلام سے پہلے والی قرأت فاتحہ و درود دعائیں ہیں اس لفظ کا تعلق و ربط سلام سے نہیں ہے۔

امام طبرانی و بیہقی ناقل ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ:

” ثلاث خلال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یفعلن ترکھن

الناس احداھن التسلیم علی الجنازۃ مثل التسلیم فی الصلوۃ “ یعنی تین کام

رسول اللہ ﷺ کیا کرتے تھے جن کو لوگوں نے اس زمانہ میں چھوڑ رکھا ہے ان تینوں

میں سے ایک چیز یہ ہے کہ آپ ﷺ نماز جنازہ میں اسی طرح سلام پھیرتے تھے جس

طرح عام مہجگانہ نمازوں میں پھیرا کرتے تھے “ (سنن بیہقی مع الجوہر النقی ج ۲ ص ۴۳)

و معجم کبیر للطبرانی) (محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ)

امام نووی نے اس حدیث کی سند کو ”جید“ کہا ہے اور امام بیہقی نے ”رجالہ ثقات“ کہا ہے، علامہ ناصر الدین البانی نے ”حسن“ کہا ہے (مجموع للنووی ج ۵ ص ۲۳۹، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۳۴، احکام الجنائز و بدعاتہا للالبانی ص ۱۲)۔

مذکورہ بالابات کے بیان کرنے والے حضرت ابن مسعود سے صحیح مسلم وغیر میں مروی ہے کہ:

”ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یسلم تسلمتین فی الصلوۃ“
یعنی نبی ﷺ نماز میں دو سلام داہنی طرف اور بائیں طرف پھیرا کرتے تھے“ (صحیح مسلم ابواب الصلوۃ)

یہ معلوم ہے کہ جماعت سے پڑھی جانے والی نماز میں ہمارے رسول ﷺ دونوں طرف بالجہر سلام پھیرا کرتے تھے۔ جس سے مستفاد ہوتا ہے کہ نماز جنازہ میں بھی آپ ﷺ بالجہر دونوں طرف سلام پھیرا کرتے تھے۔ اس میں حضرت ابن مسعود نے صراحت کر رکھی ہے کہ اس سنت نبویہ کو عام طور پر لوگوں نے ترک کر رکھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد ابن مسعود ہی میں نماز جنازہ میں بالجہر دونوں طرف سلام پھیرنے والی سنت سے لوگوں میں کوتاہی ہونے لگی تھی۔ اس لئے ہمارا موقف اس سلسلے میں یہ ہے کہ نماز جنازہ میں امام بالجہر دونوں طرف سلام پھیرے اصل طریق سلام نماز جنازہ میں ہمارے نزدیک یہی ہے۔ لیکن یہ چونکہ سنت ہے اس لئے اس کا التزام فرض نہیں اس کے خلاف اگر کسی نے ایک ہی سلام پراکتفا کیا تو بھی بلاکراہت نماز صحیح ہو جائے گی۔

امام نافع سے مروی ہے کہ:

”ان ابن عمر کا اذا صلی علی الجنائز یسلم حتی یسمع من ینبئہ“
یعنی حضرت ابن عمر جب نماز جنازہ پڑھاتے تو سلام بالجہر پھیرتے تھے کہ قریب کے لوگ سن لیتے تھے“ (سنن بیہقی ج ۴ ص ۴۴)

اس حدیث کی سند کو علامہ البانی نے صحیح کہا ہے (احکام الجنائز للالبانی ص ۱۳۰)

ابراہیم ہجری نے کہا کہ :

” امنا عبد اللہ بن ابی اوفی علی جنازۃ ابنتہ فکبر اربعا الی ان قال ثم سلم عن یمینہ وعن شمالہ وقال هكذا صنع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم“ یعنی حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی نے اپنی امامت میں ہمیں اپنی بیٹی کی نماز جنازہ پڑھائی تو موصوف ابن ابی اوفی نے آخری تکبیر کے بعد داہنے طرف بھی سلام پھیرا اور بائیں طرف بھی اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ ایسا ہی کیا کرتے تھے“ (سنن بیہقی ج ۴ ص ۲۳۳ والغسلانیات لابن بکر الشافعی کما قال فی عون المعبود ج ۸ ص ۵۱۴)

مذکورہ بالا حدیث اگرچہ امام ابن ماجہ و حاکم و احمد نے بھی نقل کی ہے مگر ان لوگوں کی روایت میں ”سلم“ کے بعد ”عن یمینہ وعن شمالہ“ نہیں ہے مگر ان کی اس روایت کو بیہقی والی روایت کا ملخص و مختصر مان لینا لازم ہے یعنی کہ روایت ابن ماجہ و حاکم و احمد، بیہقی والی روایت کا اختصار و ملخص یہ ہے کیونکہ ہمیشہ یہ ہوتا ہے کہ ایک مفصل و طویل بات کو بعض اوقات آدمی مختصر بیان کرنے پر اکتفا کرتا ہے۔ لہذا یہ روایت بھی اس بات کی دلیلوں میں سے ایک دلیل ہے کہ نماز جنازہ میں معمول نبوی دونوں طرف سلام پھیرنے کا تھا نیز اسے ابن مسعود والی حدیث پر محمول کرتے ہوئے اس بات کی دلیل بھی قرار دینا چاہئے کہ آپ ﷺ جنازہ میں دونوں طرف بالجہر سلام پھیرا کرتے تھے۔

لیکن اس روایت کی سند پر کلام ہے اگرچہ اسے امام حاکم نے ”صحیح“ کہا ہے مگر امام ذہبی نے حاکم کی کتاب مستدرک کی تلخیص میں اس کے راوی ابراہیم ہجری کی بابت کہا کہ ”ضعفوا ابراہیم“ (تلخیص المستدرک للذہبی مع مستدرک ج ۱ ص ۳۶۰) علامہ البانی نے کہا کہ بقول ذہبی موصوف ابراہیم ہجری کو لوگوں نے سوء حفظ کی بنا پر ضعف قرار دیا ہے اور اس بات کی طرف حافظ ابن حجر نے اشارہ کرتے ہوئے موصوف کو ”لین الحدیث“ کہا اور مزید کہا کہ ”رفع موقوفات“ موصوف

سوء حفظ کی بنا پر لین تھے بنا بریں موقوف روایات کو مرفوعاً بیان کر دیا کرتے تھے۔ حافظ ابن حجر نے یہ بات تقریب التہذیب میں کہی ہے جس میں موصوف نے اپنی معلومات کی حد تک ”اعدك الاقوال“ لکھنے کا التزام کیا ہے اور موصوف ابراہیم ہجری کا مفصل ترجمہ دیکھ کر ہر آدمی اس نتیجہ پر پہنچے گا جس کا مطلب یہ ہوا کہ متابع و شواہد ملنے پر موصوف ہجری کی روایت معتبر و قابل استدلال ہوتی ہے اور اس میں شک نہیں کہ حضرت ابن مسعود والی مرفوع حکمی حدیث نیز ابن عمر والی مذکورہ بالا موقوف روایت اس کی معنوی متابع و شاہد ہیں لہذا یہ روایت اپنے متابع و شواہد سے مل کر معتبر ہے اور اس چیز کی دلیل ہے کہ نماز جنازہ میں امام کو دونوں طرف بالجہر سلام پھیرنا چاہئے کیونکہ ہجری والی اس روایت میں اگرچہ بالجہر سلام پھیرنے کی صراحت نہیں ہے مگر اس عدم صراحت کو ابن مسعود والی روایت نیز اس کی ہم معنی دوسری روایات پر محمول کیا جائے گا۔ اس کی تائید ابو موسیٰ اشعری سے مروی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ ”فسلم عن يمينه وشماله“ یعنی آپ ﷺ نے نماز جنازہ میں دونوں طرف سلام پھیرا (مجمع الزوائد ج ۳ ص ۳۴ بحوالہ اوسط للطبرانی)۔

جابر بن زید سے ایک روایت یہ منقول ہے کہ :

”سلم في الجنابة تسليمًا أولها عن يمينه وآخرها عن شماله“

یعنی موصوف جابر نے نماز جنازہ میں ایک سلام داہنی طرف اور دوسرا بائیں طرف امام کی حیثیت سے پھیرا (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۰۷)

پھر اسی سند کے ساتھ موصوف سے یہ بھی مروی ہے کہ :

”فسلم تسليمًا فاسمع على الجنابة“ یعنی موصوف جابر نے جنازہ کی

نماز پڑھائی تو بالجہر سلام پھیرا جسے لوگوں نے سنا (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۰۷)

پہلی والی روایت میں بالجہر سلام پھیرنے کی صراحت نہیں ہے مگر چونکہ

دوسری والی میں اس کی صراحت ہے اس لئے اسے جہری والی روایت پر محمول کیا جائے

(۱۳۹)

گیا اسی طرح پہلی والی روایت میں دونوں طرف سلام پھیرنے کی صراحت ہے اور دوسری والی میں نہیں ہے مگر دوسری والی کو پہلی والی پر محمول کیا جائے گا جس کا حاصل یہ ہے کہ موصوف جابر نے نماز جنازہ میں دونوں طرف بالجہر سلام پھیر لے دوسری والی روایت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ موصوف جابر نے صرف ایک ہی سلام پھیرا تھا اور اس میں صراحت نہیں کہ یہ ایک سلام کس طرف پھیرا دہنی طرف یا بائیں طرف یا دہنی بائیں طرف کے بجائے قبلہ رو کھڑے سلام پھیر دیا مگر چونکہ پہلی والی روایت میں اسکی صراحت ہے اس لئے اسے پہلی والی روایت پر محمول کیا جائے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مرفوع و موقوف روایات میں جو ”تسلیمۃ“ کا لفظ آیا ہوا ہے اور ان میں جہر کی صراحت نہیں ہے انہیں دونوں سلام اور جہر پر محمول کیا جائے گا الا یہ کہ جس روایت میں صراحت کے ساتھ کہہ دیا گیا ہو کہ دو سلام کے بجائے ایک ہی پر اکتفا کیا گیا اور جہر کے بجائے سر سے سلام کیا گیا۔ اس اصول سے بہت سی روایات کو معنوی و حقیقی اختلاف و تعارض سے بچایا جاسکتا ہے اور ایسی صورت میں ان روایات کو محمول کیا جائے کہ بعض حضرات بعض روایات کے مطابق ایک ہی سلام پریا یہ کہ جہر کے بجائے سر پر عمل پیرا تھے۔

مذکورہ بالا تفصیل کے پیش نظر عبداللہ بن ابی اوفی سے جو یہ مروی ہے کہ عطاء بن سائب نے کہا کہ :

” عن عطاء بن السائب رأیت ابن ابی اوفی صلی علی جنازة فسلم

تسلیمۃ “ (مسائل ابی داؤد عن احمد ص ۱۵۳)

اس کا مطلب یہ ہے کہ موصوف ابن ابی اوفی نے دونوں طرف سلام جہر کے ساتھ پھیرا کیونکہ موصوف سے مروی شدہ دوسری روایت میں دو سلام پھیرنے کی صراحت ہے اور جابر بن زید والی دو روایتوں میں جو صورت تطبیق ہم نے بتلائی ہے وہی اس میں بھی اختیار کرنی چاہئے اور اسے جہر پر محمول کئے جانے کی توجیہ بھی ہم نے بیان

(۱۵۰)

کردی ہے علامہ البانی نے لفظ ”تسلیمۃ“ کا معنی اس کے ظاہر کے مطابق ایک سلام سمجھا ہے اسی لئے موصوف نے عطاء بن السائب والی اس روایت کو نقل کرنے کے ساتھ بین القوسین ”واحدة“ کا لفظ بڑھا دیا ہے (ملاحظہ ہو موصوف علامہ البانی کی کتاب احکام الجنائز ص ۱۲۸)

مگر ہماری بیان کردہ تفصیل کے مطابق اس کا یہ مطلب بتلائے بغیر مذکورہ بالا روایت ہجری پر اسے محمول کرنا چاہئے۔ علاوہ ازیں عطاء بن السائب والی روایت کے ایک راوی جراح بن ملیح کو علامہ البانی نے ضعیف قرار دیکر صراحت کی ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ جراح بن ملیح پر بعض ائمہ جرح کی بہت سخت تہرج ہے حتیٰ کہ بعض نے موصوف کو وضاع و کذاب تک کہا ہے اور موصوف جراح نے روایت مذکورہ جس عطاء سے نقل کی ہے وہ آخری عمر میں مختلط ہو کر ساقط الاعتبار ہو گئے تھے ذریں صورت مختلط و ساقط الاعتبار راوی سے جراح جیسے مجروح راوی کی نقل کردہ روایت کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے؟ اور بشرط اعتبار اس کی توجیہ ہم نے بیان کر دی ہے۔

ان سب امور کے باوجود بعض روایات سے آپ ﷺ کا اور آپ ﷺ کے عام صحابہ کا عام نمازوں کی طرح نماز جنازہ میں بھی ایک سلام پر اکتفا کرنا ثابت ہے اس لئے ایک سلام پر اکتفا کرنا بھی جائز ہے لیکن یہ معلوم ہے کہ سلام بھی ایک دعا ہے اور دعا بڑے کار خیر و ثواب میں سے ہے بلکہ بعض احادیث کے مطابق دعا کو عبادت کہا گیا ہے اور ثواب و عبادت و کار خیر والے کام جتنے بھی زیادہ کئے جائیں اتنے ہی زیادہ بہتر ہیں بشرطیکہ انہیں کرنے کی حد نہ مقرر ہو اور سلام نمازوں میں دو سے زیادہ مرتبہ منقول و ماثور و مروی نہیں اس لئے ایک سلام پر اکتفا کرنے کے بالمقابل دو سلام پر عمل پیرا ہونا زیادہ بہتر اور اچھا ہے مگر دو سے زیادہ اس وجہ سے جائز و درست نہیں کہ عمل متواتر و مشاہدہ و اجماع کے خلاف ہے۔

(۱۵۱)

غائبانہ نماز جنازہ کے موضوع پر لکھی گئی اپنی اسی کتاب میں ہم نے نماز جنازہ سے متعلق اتنے سارے مسائل پر اس لئے بحث کی ہے کہ غائبانہ نماز جنازہ کی ادائیگی بالکل حاضرانہ نماز جنازہ ہی کی طرح ہوا کرتی ہے۔

یہ معلوم و معروف حقیقت ہے کہ نماز جنازہ زندہ و مردہ، عورت و مرد، چھوٹے بڑے تمام ہی مسلمانوں کے لئے دعاؤں پر اور ذکر الہی پر مشتمل ہوتی ہے اور شریعت کا حکم ہے کہ تمام مسلمان تمام گزرے ہوئے فوت شدہ اور زندہ اور آنے والے مسلمانوں کے لئے دعائے خیر خصوصی دعائے مغفرت و دعائے عفو کرتے رہیں اور اپنے لئے بھی۔ سابق انبیائے کرام و مرسلین عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی یہ کام کرتے رہتے تھے اور ظاہر ہے کہ ان کا اتباع کرنے والے اہل اسلام بھی اپنے اپنے زمانہ میں یہ کار خیر کرتے رہے ہیں۔ دین اسلام اور ملت واحدہ یعنی مذہب توحید پر تمام لوگ انسان کے مورث اعلیٰ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لیکر بعثت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے تک قائم رہے جیسا کہ حضرت ابن عباس سے مروی شدہ حدیث سے ثابت ہے (مستدرک حاکم) یعنی کہ لوگوں میں توحید کے خلاف عقائد شرک و کفر پیدا ہونے کے بعد لوگوں کی اصلاح و تبلیغ کے لئے دنیا میں اللہ کی طرف سے بھیجے گئے سب سے پہلے رسول و نبی حضرت نوح علیہ السلام تھے اور ان کی دعاؤں میں یہ دعا بھی شامل رہی کہ :

”رب اغفر لی ولوالدی ولن دخل بیئنی مومننا وللمومنین والمومنات“ (پ ۲۹ سورہ نوح: ۲۸) اے میرے رب! تو مجھے اور میرے والدین اور میرے گھر میں داخل ہونے والے ہر مومن اور سارے کے سارے مومن مردوں اور عورتوں کی مغفرت کرو۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعاؤں میں سے ایک دعا یہ تھی کہ :

”ربنا اغفر لی ولوالدی وللمومنین یوم یقوم الحساب“ (پ ۱۳ سورہ

(۱۵۲)

ابراہیم: ۴۱) یعنی اے ہمارے رب! تو مجھے اور میرے والدین اور سارے کے سارے مومنوں کی بروز قیامت مغفرت کر دے“

اللہ تعالیٰ نے تمام مومنوں کا یہ شیوہ و شعار بتلایا ہے کہ وہ یہ دعا کرتے رہتے

ہیں کہ:

” رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِأَخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَؤُوفٌ رَحِيمٌ “ (پ ۲۸ سورۃ الحشر: ۱۰) اے ہمارے رب! ہمارے لئے اور ہم سے پہلے ایمان لانے والے ہمارے بھائیوں کی مغفرت فرما دے اور مومنوں کے خلاف ہمارے دلوں میں بغض و کینہ و عداوت نہ پیدا ہونے دے اے ہمارے رب بیشک تو بہت مہربان اور رحیم ہے۔

ہم بیان کر آئے ہیں کہ دعاؤں خصوصاً مومنوں کے لئے طلب مغفرت پر مشتمل نماز جنازہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کے زمانہ سے شروع ہے جس سے مستفاد ہوتا ہے کہ تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام مومنوں کے لئے دعاؤں کو خصوصاً طلب مغفرت پر مشتمل نماز جنازہ تمام فوت ہو جانے والے مسلمانوں پر پڑھا کرتے تھے۔

تنبیہ بلیغ اول

ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے رسول اللہ ﷺ سے ہجرت کے پہلے فوت ہونے والے صحابہ پر نماز جنازہ پڑھنے کا صراحت کے ساتھ ذکر نہیں ملتا ہے اس کی ایک وجہ ہماری سمجھ میں یہ آتی ہے کہ نماز جنازہ کے لئے جماعت کا ہونا ضروری ہے جماعت کے بغیر کسی بھی نماز جنازہ پڑھنے کا ذکر ہمارے رسول ﷺ سے نہیں ملتا ہے اور علامہ ناصر الدین البانی نے جماعت کا ہونا نماز جنازہ کے لئے فرض قرار دیا ہے (احکام الجنائز ص ۹۷) چونکہ ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں غلبہ کفار کے باعث علی الاعلان جماعت سے کسی بھی نماز کا پڑھنا مشکل تھا اگر آپ ﷺ جماعت سے کوئی نماز پڑھتے بھی تھے

(۱۵۳)

توضیح طور پر اس لئے ہجرت سے پہلے فوت ہونے والے صحابہ کی نماز جنازہ کا پڑھنا آپ ﷺ سے منقول نہیں مگر یہ اس چیز کے منافی نہیں کہ آپ نے عام نمازوں کی طرح تھیں طور پر نماز جنازہ بھی ان فوت ہونے والے صحابہ کے لئے نہ پڑھی ہو۔

تنبیہ بلیغ ثانی

غیر مسلم و غیر مومن کی نماز جنازہ اور اس کے لئے دعائے مغفرت سے شریعت نے اہل اسلام کو پوری تاکید کے ساتھ منع کیا ہے اس لئے جس کا غیر مومن و غیر مسلم ہونا ظاہر ہو اس کے لئے نہ نماز جنازہ پڑھنی چاہئے اور نہ دعائے مغفرت کرنی چاہئے بعض مطلب پرست اور ابن الوقت لوگوں کا طرز عمل اس حکم شرعی کے خلاف ہے حتیٰ کہ بعض لوگ غیر مسلم وزراء و امراء کے ایصالِ ثواب کے لئے قرآن خوانی تک کر ڈالتے ہیں یہ دینی غیرت نہ ہونے کے سبب اور مطلب پرستی و خود غرضی و ابن الوقتی کی بنا پر ہے۔

تیسری تنبیہ بلیغ

ہمارے نزدیک رائج و صحیح موقف یہی ہے کہ نماز جنازہ کی ہر تکبیر میں رفع الیدین کیا جائے ہمارے ہندوستانی اور غیر ہندوستانی حنفی المذہب بھائیوں کا موقف و تعامل یہ ہے کہ صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع الیدین کیا جائے مگر جن امام ابو حنیفہ کا مقلد یہ لوگ اپنے کو کہتے ہیں ان سے منقول ہے کہ ہر تکبیر پر نماز جنازہ میں رفع الیدین کرنا چاہئے۔ حنفی مذہب کے مشہور و معروف ترجمان و شارح و فقیہ امام رخصی نے اپنی کتاب ”المبسوط“ ج ۲ ص ۶۴ میں اور حافظ ابن حزم نے المحلی ج ۵ ص ۸۲ میں اسکی صراحت کی ہے۔ اس پر بعض احناف کی تکبیر بے معنی و بے وزن ہے۔ بعض لوگوں نے مندرجہ ذیل حدیث سے

(۱۵۴)

باقی تکبیروں میں رفع الیدین کے غیر مشروع ہونے پر استدلال کیا ہے:

” عن ابی ہریرۃ أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبر علی جنازۃ فرفع یدیه فی اولی تکبیرہ ووضع الیمنی علی الیسری “ یعنی ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک جنازہ پر نماز پڑھی تو آپ ﷺ نے پہلی تکبیر یعنی تکبیر تحریمہ کے وقت رفع الیدین کیا اور بائیں ہاتھ پر داہنا ہاتھ رکھا (مراد سینہ پر دونوں ہاتھوں کو باندھ لیا) (ترمذی ج ۲ ص ۱۶۵ و سنن دار قطنی ج ۱ ص ۱۹۲ و سنن بیہقی ج ۴ ص ۲۸ و طبقات الاصبہانین لابن الشیخ ص ۲۶۲)

اولا اس روایت میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ باقی تکبیرات جنازہ میں رفع الیدین کی نفی نہیں ہے اسلئے اس سے موقف مذکور پر استدلال صحیح نہیں ثانیاً یہ روایت باعتراف علامہ ناصر الدین البانی ضعیف ہے ثالثاً حدیث مذکور نماز جنازہ میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ دوسری تکبیروں میں اثبات رفع الیدین کرنے والی روایات کے موافق ہے مخالف نہیں۔ رابعاً اسے اپنے موقف پر دلیل سمجھتے ہوئے جن لوگوں نے ابن عباس کی طرف منسوب اس روایت کو اس کا متابع کہا ہے ان لوگوں کی پیش کردہ روایت ابن عباس کا ساقط الاعتبار ہونا ہم اس کتاب کے ص ۵۳ تا ۵۶ میں واضح کر چکے ہیں۔

چوتھی تنبیہ بلیغ

یہ معلوم ہے کہ اسلام میں سارے اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے اسلئے تمام مسلمانوں کو دوسرے امور دینیہ کی طرح نماز جنازہ اور تجہیز و تکفین میں صحیح و خالص نیت کا رکھنا لازم ہے اور میت کے لئے پوری ہمدردی و غم گساری کے ساتھ دعائے مغفرت و دعائے خیر کرنے کے ساتھ تمام ہی مسلمانوں کے لئے بھی خلوص نیت کے ساتھ ہمدردی ہونی ضروری ہے۔

(۱۵۵)

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم کو تمام امور میں خلوص نیت اور حق پرستی و حق

پسندی کی توفیق دے۔ ربنا تقبل منا انک انت السميع العليم وتب علينا انک

انت التواب الرحيم۔ وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

خاکسار محمد رئیس ندوی

جامعہ سلفیہ بنارس

۹ اگست ۱۹۹۳ء

